ماہنامہ

ترجمان القرآن

جاری کردہ :

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ، اچھرہ، لاہور (پاکستان)

ترجمۂ قرآنِ مجید

مع مُختصر حواشی

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

اِس میں

مترجم نے قرآن حکیم کے متن اور تفہیم القرآن کے ترجمے کے ساتھ بہت مختصر حواشی درج کر دیے ہیں تاکہ عام لوگ جو قرآن مجید کا سیدھا سادہ مفہوم سمجھنا چاہتے ہیں وہ ایک ہی جلد میں تفہیم القرآن کے خلاصے سے فائدہ اٹھا سکیں۔

سائز: ۲۲×۳۶/۱۶ ○ صفحات: ۱۵۸۴ ○ کاغذ: امپورٹڈ مکینیکل ○ ہدیہ: ۱۵۰/- روپے

ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ

اردو بازار، لاہور ○ فون نمبر: ۲۲۴۰۱۴-۲۳۶۶۹۵
پوسٹ بکس نمبر: ۱۴۴۳

جلد ۱۱۷ جون ۱۹۹۲ء عدد ۴

ماہنامہ

ترجمان القرآن

جاری کردہ:

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ، اچھرہ، لاہور (پاکستان)

ماہنامہ **ترجمان القرآن** لاہور

رجسٹرڈ نمبر ایل : ۵۳۴۰

جلد ۱۱۷ | جون ۱۹۹۲ء ذی الحجہ ۱۴۱۲ھ | عدد ۴

فہرست مضامین

رابطہ و ترسیل زر کے لیے : ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ ۔ رحمٰن مارکیٹ ، اردو بازار ، لاہور

فون نمبر : ۲۳۴۰۱۴ - ۲۳۶۶۶۵ | پوسٹ بکس نمبر : ۱۴۴۳

فی پرچہ : ۶ روپے | زر سالانہ : ۶۰ روپے

سید حسین فاروق مودودی نے ملک عید محمد پرنٹرز لاہور سے چھپوا کر دفتر ترجمان القرآن ، اچھرہ لاہور سے شائع کیا

اشارات

مکہ کی بے آب و گیاہ وادی میں پہلا وہ گھر خدا کا' جس کے گرد ان دنوں عشاقِ بے تاب کا ایک ہجوم بے پناہ دنیا کے گوشے گوشے سے کھنچ کھنچ کر پروانہ وار جمع ہو رہا ہے' اور ہزاروں برس سے ہوتا چلا آرہا ہے' ہمارے لیے مرکزِ زندگی کا مقام رکھتا ہے۔ اس گھر کی غریب و سادہ و رنگین داستان کے ورق ورق پر آیاتِ بینات کا ایک اتھاہ خزانہ رقم ہے۔ ان آیات میں دیدہ و دل وا کرنے کے لیے' راہِ زندگی روشن کرنے کے لیے' اور منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لیے' بیش بہا دولت محفوظ ہے۔ اس گھر میں وہ زم زم ہی رواں نہیں ہے جو چار ہزار سال سے پیاسوں کی پیاس بجھا رہا ہے اور بجھاتا چلا جائے گا' بلکہ اس ہی سے ہدایت و برکت کا وہ زم زم بھی جاری ہوا ہے جس نے سارے جہانوں کی معنوی تشنگی دور کرنے اور ان کے قلوب و ارواح اور فکر و عمل کی سیرابی کا سامان کیا ہے۔ اور کیوں نہ ہو' کہ اس ایک گوشۂ مکان کے حصے میں یہ سعادت آئی ہے کہ خدائے لامکاں کی رحمتِ کاملہ نے اسیرِ مکان و زماں کو اپنا تقرب بخشنے کی خاطر اسے اپنا گھر بنا لیا ہے۔ (اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّ هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ۔ آل عمران:۹۶)

ان آیاتِ بینات میں سب سے نمایاں' اخلاص و محبت اور اطاعت و وفا کے وہ نقوش ہیں جو اس گھر کے ایک ایک پتھر پر' اور اس کے جوار میں ایک ایک چپے پر' سلسلۂ رشد و ہدایت کے امامِ اولیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے راہِ خدا میں اپنے مقامِ عالی سے ثبت کیے ہیں۔ انہوں نے ربِّ واحد کی بندگی کی خاطر وطن چھوڑنے کے بعد' اپنی یکہ و تنہا بیوی اور شیرخوار بیٹے کو اس گھر کے جوار میں لا بسایا' انہوں نے اپنے ہاتھوں سے اس گھر کی دیواریں چنیں' انہوں نے اس گھر کی زیارت کے لیے مشرق و مغرب کو پکارا' انہوں نے اس گھر کو طواف' اعتکاف' قیام اور رکوع و سجود کا مرکز بنایا' یہیں انہوں نے بارگاہِ محبوب میں اپنے بیٹے کی قربانی پیش کی۔ انہوں

نے ہی مشیتِ الٰہی کی طرف سے اس گھر کو سلسلہ رشد و ہدایت کے امامِ آخر صلی اللہ علیہ وسلم' اور امتِ مسلمہ کے ظہور کا مبدا و مرکز بنانے کے فیصلے کو' دعا کے رنگ میں' ثبت و ظاہر کر دیا۔

پھر اللہ کا یہ گھر' اور یہ البلد الامین ان تمام تابناک و بے مثال روایات کا حامل بھی بن گیا جو بعثتِ محمدیؐ' نزولِ قرآن' دعوتِ اسلامی' اور ہجرت و جہاد کے ابواب میں محفوظ ہیں۔ اس گھر کا کوئی پتھر ایسا نہیں' اس کے قرب میں کوئی چٹان اور سنگریزہ ایسا نہیں' جس کے دل میں ہدایت و دعوت اور ہجرت و جہاد کا کوئی نہ کوئی نقش محفوظ نہ ہو' اور جو پیاسا اسے پا نہ سکتا ہو۔ سوچیے تو یہ بھی وراثتِ ابراہیم ہی ہے۔ (مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ۚ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ۔ الحج ۲۲:۷۸)

حضرت ابراہیمؑ نے اس گھر کو' اور اس شہر کو ایسا جائے امن بنایا کہ جو اس میں داخل ہو جاتا ہے' اس کے جان و مال محفوظ ہو جاتے ہیں' اور ہمیشہ سے ایسا ہوتا چلا آیا ہے۔ مگر انہوں نے اس گھر میں ہدایت کا جو مرکز قائم کیا' صرف وہ مرکز ہی ایک ایسا مرکز ہے جہاں انسان داخل ہو تو اس کے قلب و روح' فکر و سوچ' اخلاق و کردار' شخصی زندگی اور حیات اجتماعی' سب محفوظ و مامون ہو جاتے ہیں۔ اگر کہیں انسان خوف و حزن' ظلم و فساد' اور دنیا و آخرت کے بگاڑ اور تباہی سے امن حاصل کر سکتا ہے تو اس بناہ ہدایت میں داخل ہو کر جو عالمِ معنوی میں خانہ کعبہ کی مثال ہے۔ (وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا۔ آل عمران ۳:۹۷)۔

صراطِ مستقیم پر چلنے کے لیے' اس لیے یہ ضروری ہوا کہ جو پہنچ سکتا ہو وہ کم سے کم عمر میں ایک دفعہ' حضرت ابراہیمؑ کی طرح گھربار ترک کر کے' طویل مسافت طے کر کے' لباسِ دنیا اتار کے' اللہ کے اس گھر تک ضرور پہنچے' اور یہاں فیض کا جو چشمہ بہہ رہا ہے اس میں ضرور غوطہ لگائے۔ اس گھر پر وہ اپنے دل کا لنگر ڈال دے' اس کو نگاہوں میں بسا لے کہ اس کو دیکھنا بھی عبادت ہے' اس کے چاروں طرف چکر کاٹے' اس کے در و دیوار سے چمٹے' اس کے جوار میں پہاڑیوں پر چڑھے' وادیوں میں چلے اور رب البیت کے دربارِ عرفات میں حاضر ہو جائے۔ (وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا۔ آل عمران ۳:۹۷)

لیکن نہ ہر شخص پہنچ جانے کی استطاعت رکھ سکتا ہے' نہ عمر میں صرف ایک دفعہ ہو آنا اس چشمہ ہدایت سے فیضِ مطلوب حاصل کرنے کے لیے کفایت کرتا ہے۔ جو ھُدًی لِلْعٰلَمِیْن ہے اس کے ساتھ تو زندگی کے ہر لمحہ مربوط رہنا ناگزیر ہے۔ چنانچہ یہ بھی ضروری ہوا کہ دنیا میں جہاں کہیں بھی ہو' اور جس حالت میں بھی ہو' ہر روز پانچ دفعہ' دنیا کا ہر شغل اور ہر دلچسپی ترک

کرکے (جس طرح حج کے لیے کرتے ہو)' اس برکت و ہدایت کے گھر کی طرف رخ کرو' سامنے اسی گھر کو رکھو' نگاہیں اسی پر جماؤ۔ (وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ البقرہ:۱۴۴)

بیت اللہ کے حج کو جانا' عمر بھر جانے کی آرزو اور شوق میں سلگتے رہنا' گویا کہ اس کو اپنی سعی و طلب کا مقصود بنانا' اور ہر روز پانچ دفعہ اس کی طرف رخ کرکے اپنے رب کے سامنے جھکنا اور بچھ جانا اور اس سے ہمکلام ہونا' گویا کہ اس کو اپنے دل و نگاہ کا مرکز بنانا' ایسے اعمال ہیں جو ہماری زندگیوں کو رخ' رنگ اور ساخت عطا کرتے ہیں۔ ان دنوں جب حج کا موسم ہے اور زائرین اس شمع کے گرد ہجوم کر رہے ہیں' ہمیں آگاہ ہونا چاہیے کہ اس گھر میں' اس کی تاریخ میں' اس کی روایات میں' اس میں ثبت کردہ نقوش و آثار میں' برکت و ہدایت اور آیاتِ بینات کے کیسے کیسے بیش بہا خزانے ہیں جو ہماری جستجو کے منتظر ہیں' اور جن سے ہمیں اپنی جھولی بھرنا چاہیے۔

بر و بحر میں فساد کا تلاطم ہو' ہمارے گھروں میں ظلم اور فتنہ کی طغیانی ہو' امت ذلت و مسکنت کے شکنجہ میں کسی ہوئی ہو' اغیار کا غلبہ و تسلط ہو' باہمی افتراق و عداوت ہو' خونِ مسلم کی ارزانی اور عزتِ مسلم کی پامالی ہو' امتِ مسلمہ کا احیا مقصود ہو' جس طرح بچہ کو ماں کے سینے سے چمٹ کر ہی امن و اطمینان نصیب ہوتا ہے' انسانیت اور امتِ مسلمہ کو امن اور فلاح' بیت اللہ کی دی ہوئی ہدایت سے چمٹ کر ہی نصیب ہو سکتی ہے۔

خدائے لامکاں کسی مکان میں سما نہیں سکتا۔ بیت اللہ تو ایک علامت ہے ایک شعار ہے' اور اس لیے ہے کہ مرکزِ دل' محبوبِ نظر' مقصودِ سعی وجہد' اللہ اور صرف اللہ' بن جائے۔ جو اللہ کو مضبوطی کے ساتھ تھام لے' اسی کے ساتھ جڑ جائے' اس طرح تھام لے اور جڑ جائے جس طرح کہ اللہ کا حق ہے' وہی صراطِ مستقیم پا لیتا ہے (وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ آل عمران:۱۰۱) ہدایت کوئی لیبل چسپاں کرلینے سے حاصل نہیں ہوتی' وہ یہودی کا لیبل ہو نصرانی کا' یا محمدی کا۔ نہ ہدایت خانہ کعبہ کا چکر کاٹ آنے سے ملتی ہے' نہ اس کی طرف منہ کرلینے سے۔ ہدایت تو حضرت ابراہیمؑ کی طرح اللہ کا حنیف بندہ بن جانے کا نام ہے' جس میں شرک کی گندگی کا شائبہ تک بھی نہ ہو (بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ البقرہ:۱۳۵)

حضرت ابراہیمؑ حنیف تھے۔ یعنی وہ سب کچھ چھوڑ کر صرف اللہ کے بن گئے تھے' اس کے

ہو رہے تھے' اور اللہ کے سوا کسی کے نہ رہ گئے تھے۔

انہوں نے ہر ڈوبنے والی چیز کی' اور ماسوا اللہ ہر چیز ڈوبنے والی اور فنا ہونے والی ہے' محبت ترک کرکے' تمام چمکتے دمکتے چاند' سورج اور ستاروں کا طلسم توڑ کے' اپنا اور اپنی زندگی کا رخ صرف اللہ کی طرف کر لیا تھا' سب سے بڑھ کر صرف اس کی محبت اپنے دل میں بسا لی تھی' صرف اس کو طلب و سعی کا مرکز بنا لیا تھا' صرف اسی پر نگاہیں جما دی تھیں' یا یوں کہیے صرف اسی کو اپنی شخصیت اور زندگی کا قبلہ بنا لیا تھا' اور اس رخ میں' توجہ میں' وابستگی میں' اللہ کے علاوہ اور کوئی رخ نہ تھا جو شریک ہو۔

انہوں نے اپنا سب کچھ اپنے رب کے حوالے کر دیا تھا' اور کوئی چیز اس سے بچا کر نہ رکھی تھی ---- اپنے علاقے اور محبتیں' اپنا گھر اور وطن' اپنی بیوی اور بیٹے' اپنی دنیا اور اپنی متاع ---- پرستش بھی اس کی' ہر چیز اس کے اشارے پر حاضر اور قربان بھی' زندگی بھی اسی کی' موت بھی اسی کی۔ اور اس خود سپردگی میں بھی شمہ برابر حصہ اللہ کے علاوہ اور کسی کے لیے نہ لگایا تھا۔

وہ اپنے رب کے ہر حکم کی فرمانبرداری کے لیے ہر وقت مستعد اور حاضر تھے۔ آگ میں بے خطر کود پڑنے کا حکم ہو' گھر اور وطن چھوڑ کر نکل جانے کا حکم ہو' باپ کے لیے استغفار تک ترک کر دینے کا حکم ہو' تمام معبودان باطل سے اعلانِ برأت و عداوت کا حکم ہو' اہل و عیال کو وادی غیر ذی زرع میں بسانے کا حکم ہو' پتھروں سے اللہ کے گھر کی دیواریں چننے کا حکم ہو' اکلوتے اور محبوبِ نور نظر کے گلے پر چھری چلانے کا حکم ہو۔ ان کی زبان پر ہر وقت لبیک تھا' وہ ہر وقت حاضر تھے' ان کی ہر چیز حاضر تھی۔

توحیدِ خالص' ریاضی کے فارمولے کی طرح' اللہ کو ایک مان لینا نہیں' بلکہ حضرت ابراہیمؑ کی طرح سب کچھ چھوڑ کر صرف اسی کا بن جانا اور اسی کا ہو کر رہنا ہے۔ بیت اللہ کی آیاتِ ہدایت میں سب سے نمایاں اور سب سے اہم حضرت ابراہیمؑ کا یہی اسوۂ بندگی ہے جو "اسلام" اور حنیفیت سے عبارت ہے۔ حج اور استقبالِ قبلہ کا عمل ہمیں بندگیٔ رب کے اس رنگ میں رنگنے ہی کے لیے ہے' جس کی شان حضرت ابراہیمؑ اور آلِ ابراہیمؑ نے اپنی توحیدِ خالص' اخلاص و وفاداری' فرمانبرداری اور یکسوئی سے قائم کی۔ یہی رنگ اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے' یہی اس کو مطلوب ہے' یہی اس کے ہاں مقبول ہے۔ اس رنگ میں رنگ جانے والوں ہی سے وہ راضی ہوتا ہے۔ انہی سے دنیا میں علو و امامت کا وعدہ ہے' اور آخرت میں جنت کے انعام سے سرفرازی

کا۔

ہم حج بھی کریں' عمروں کے لیے بھی جائیں' منہ کعبہ شریف کی طرف کر کے نمازیں بھی پڑھیں' مگر ہم پر وہ رنگ نہ چڑھے جو حضرت ابراہیمؑ کا رنگ تھا' تو اس سے بڑھ کر ہماری حماں نصیبی اور کیا ہو سکتی ہے' اور جو حماں نصیبی ہمارا مقدر بن گئی ہے اس کا سبب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ ہم سے دنیا میں جو وعدے ہیں ـــــ استخلاف فی الارض کا وعدہ ہے' غلبہ دین کا وعدہ ہے' خوف سے نجات اور امن سے ہم کنار کرنے کا وعدہ ہےـــــ وہ سب وعدے اس شرط کے ساتھ مشروط ہیں کہ ہم اللہ کے ایسے بندے بن جائیں کہ بندگی اور کسی کے لیے نہ ہو۔ (یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا النور:۵۵)

مشرق سے لے کر مغرب تک نظر ڈال لیجئے! کیا امتِ مسلمہ میں حضرت ابراہیمؑ کا کوئی ایسا رنگ ہے جو غیر مسلموں اور مشرکوں کے رنگ سے الگ ہو۔ اپنے دلوں کو دیکھیے' انہی کی طرح بے شمار ٹکڑوں میں منقسم ہیں اور ہر ٹکڑے میں ایک الگ معبود بیٹھا ہوا ہے۔ اغراض و مقاصد پر نظر ڈالیے' انہی کی طرح وہ بھی ان گنت ہیں اور ان میں سب سے کم مقام ان کا ہے جو اللہ کے نزدیک محبوب ترین ہیں۔ نماز میں بیشک ہمارا منہ قبلہ کے علاوہ کسی اور طرف نہیں ہوتا' لیکن زندگی میں تو انہی کی طرح ہمارے بہت سے قبلے ہیں جو ہماری توجہات اور وابستگیوں کا مرکز ہیں۔ زبان پر بیشک لبیک ہے' لیکن ہم نہ خود اپنے کو' نہ اپنی کسی محبوب چیز کو' اللہ کے لیے حاضر کرنے کو تیار ہیں۔ ہر حکم کی تعمیل میں ہماری اپنی کسی نہ کسی خواہش' پسند و ناپسند' محبوب و مبغوض کی قربانی دامن گیر ہو جاتی ہے' یا ہزاروں اندیشے اور خوف ہمیں چاروں طرف سے گھیر کر ہماری راہ مسدود کر دیتے ہیں۔ حج ہو یا استقبالِ قبلہ' بے جان مراسمِ عبادت نہ ہمارے قلوب کو بیدار کرتے ہیں' نہ نگاہوں میں پاکیزگی و یکسوئی پیدا کرتے ہیں' نہ عمل میں صالحیت۔ یہ نہ ہماری سوچ بدلتے ہیں' نہ شخصیت نہ زندگی۔

بیت اللہ کی آیاتِ بینات میں سے یہ بھی ہے کہ ہمہ اقتدار و ہمہ اختیار حیّ و قیوم خدا' جو آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب کا بلا شرکت غیرے مالک کل ہے' اور جس کی کرسی' اقتدار سب کو سمیٹے ہوئے ہے' وہ جب چاہے موت کو زندگی سے' زندگی کو موت سے' اندھیروں کو روشنی سے' روشنی کو اندھیروں سے' عزت کو ذلت سے' اور ذلت کو عزت سے' بدل دیتا ہے۔ جو اس کے ساتھ ایمان اور بندگی کا رشتہ قائم کر لے' اسے ہر اندیشہ اور خوف سے' ہر

حزن و غم سے، ہر حسرت و یاس سے پاک ہونا چاہیے۔

صحیح بخاری کی روایت کے مطابق حضرت ابراہیمؑ جب حضرت ہاجرہؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کو مکہ میں بسانے کے لیے آئے تو وہاں نہ انسان کا نام و نشان تھا، نہ پانی کا، نہ زراعت کا، نہ خوردو نوش کا کوئی انتظام، ایک تھیلی (جِراب) کھجوروں کی، اور ایک مشکیزہ پانی کا، بس یہ کل کائنات تھی جو وہ ان کے پاس چھوڑ کر چلے۔ حضرت ہاجرہؑ نے بار بار پوچھا کہ ہمیں ایسی وادی میں چھوڑ کر آپ کہاں چلے، جہاں نہ آدم نہ آدم زاد، نہ کوئی اور چیز۔ کوئی جواب نہ پایا تو سوال کیا کیا اس کا حکم آپ کو اللہ نے دیا ہے؟ فرمایا، ہاں۔ یہ سن کر وہ اطمینان و سکون اور امن کی اس جنت میں داخل ہو گئیں، جس کا باغ ان کے اندر لہلہا اٹھا۔ یہ جنت کیا تھی؟ فرمایا، اِذَنْ لَا یُضَیِّعُنَا (پھر تو وہ ہم کو ضائع نہ کرے گا)۔ بخاری کی ایک دوسری روایت کے مطابق، حضرت ہاجرہؑ کے پوچھنے پر کہ ہمیں کس پر چھوڑ کر جارہے ہو، حضرت ابراہیمؑ نے کہا، اللہ پر۔ یہ سن کر وہ پورے سکون و اطمینان سے بولیں، رَضِیْتُ بِاللّٰہِ (میں اللہ پر راضی ہوں)۔

اللہ پر یقین اور اعتماد، اللہ پر بھروسہ اور توکل، اللہ کے ہر فیصلہ پر خوش، بندگی رب کی یہ کیفیت تھی کہ ایک یکہ و تنہا عورت اپنے شیر خوار بچے کے ساتھ، پتھریلے بیابان میں، بھیانک اور ڈراؤنی راتیں، تپتے ہوئے دن، موذی جانور، چور اور ڈاکو، سب کے باوجود، اطمینان اور امن کی کیفیت سے مالا مال تھی۔ معاش کا بندوبست بھی کھجوروں کی ایک تھیلی اور پانی کے ایک مشکیزہ سے زائد کچھ نہ تھا۔ پھر بیت اللہ کی تاریخ گواہ ہے کہ جہاں کوئی وسائل نہ تھے، کوئی اسباب نہ تھے، کوئی سہارا نہ تھا، صرف خطرات ہی خطرات تھے، وہاں خدائے حی و قیوم چار ہزار سال سے سب کچھ بخش رہا ہے۔ جہاں کوئی انسان نہ تھا، وہاں لاکھوں انسان دنیا بھر سے چلے آرہے ہیں۔ جہاں نہ پانی تھا نہ کھانا، وہاں ہر قسم کا خوردو نوش کا سامان پایا جاتا ہے۔

یہ علم ہو جانے کے بعد، پیغمبر کی زبان سے کہ جس کا علم غیر مشتبہ ہے، کہ یہ خدا کا حکم ہے، کچھ مادی وسائل نہ ہونے کے باوجود، دنیا بھر میں یکہ و تنہا ہونے کے باوجود، ہر قسم کے سنگین اور مہیب خطرات اور اندیشوں کے سامنے ہوتے ہوئے، اطاعت و فرمانبرداری کی راہ چل پڑنا ہی حکمت و دانائی کا راستہ ہے۔ یہی حکمت و دانائی راسخ ہونا چاہیے اس میں جو چشم سر سے بیت اللہ کو دیکھے، اور پانچ وقت اس کی طرف رخ کرے۔ کیا ہم اغیار کے علم و حکمت سے جھولیاں بھرنے کے بعد، اپنی اس سب سے بیش بہا متاعِ حکمت کو کھو نہیں بیٹھے ہیں؟

حج کے تقریباً" سارے ارکان' سعی' جہد' اور حرکت پر مشتمل ہیں۔ گھر سے نکلنا' سفر کرنا' بیت اللہ کے گرد طواف کرنا' صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا' مکہ سے نکل کر منیٰ میں ڈیرے ڈالنا' اگلے دن ہی وہاں سے کوچ کر دینا اور عرفات میں جمع ہو جانا' مغرب ہوتے ہی عرفات سے چل دینا' رات کی چند گھڑیاں مزدلفہ میں گزار کے صبح ہی صبح منیٰ واپس پہنچ جانا' پھر مکہ جا کر طواف اور سعی کرنا۔

بندگیٔ رب کا خلاصہ بھی یہی ہے۔ اللہ کے ہر حکم اور پکار پر لبیک کہنا' سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے کھڑے ہو جانا' جو کچھ بھی میسر ہو اور جس حالت میں بھی ہو' تعمیل حکم کے لیے نکل پڑنا' اپنی طرف سے کوشش اور جہد میں کوئی کسر نہ چھوڑنا' وسائل زیادہ سے زیادہ جمع کرنا اور ہر ممکن بہتر سے بہتر تدبیر کرنا مگر بھروسہ اور نظر صرف تدبیر رب پر رکھنا' اور جو کچھ کرنا صرف رب کے لیے کرنا۔

حج میں سارے اعمال' ان صفات کے راسخ کرنے ہی کا کام نہیں کرتے' بلکہ ان اعمال میں حضرت ابراہیمؑ کا اسوہ کامل بھی برابر تازہ کرتے ہیں' اور اسے نگاہوں کے سامنے لاتے ہیں۔ پتھر کے ایک معمولی سے گھر کو یہ مقام' قبولیت' محبوبیت اور مرجعیت حاصل ہوئی تو اس میں اس مشن کو بھی دخل تھا جس کے لیے انہوں نے یہ گھر تعمیر کیا اور یہاں اپنی ذریت کو بسایا' اور اخلاص نیت و عمل کو بھی۔ مکان بنوانے والے نے آغاز ہی میں ہدایت کر دی تھی کہ "میری بندگی میں کسی کو شریک نہ بنانا" (الحج)' اور میرے گھر کو طواف و اعتکاف اور رکوع و سجود کے لیے پاک و آباد رکھنا (البقرہ)۔ انہوں نے اپنے عزائم اور تمناؤں کا اظہار بھی واشگاف الفاظ میں فرمایا تھا۔ یہ کہ "مجھے اور میری نسلوں کو اصنام پرستی سے بچانا"" اور یہ کہ "وہ نماز قائم کریں" (ابراہیم)' یہ کہ "ہماری ذریت بھی تیری فرمانبردار رہے"۔ اس گھر کو بناتے ہوئے جو دعا لبوں پر جاری تھی وہ صرف رب کے نزدیک قبولیت کی تمناؤں پر مشتمل تھی۔ (رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۝ البقرہ ۲:۱۲۷) اس کے علاوہ نہ کسی کی خوشنودی مطلوب تھی' نہ کسی کے صلہ و انعام پر نظر تھی۔

اس گھر کی آیات میں ایک روشن پیغام سعی کے اس عمل کے اندر بھی ہے جو صفا اور مروہ کے درمیان کی' جاتی ہے۔ یہ یادگار ہے اس بھاگ دوڑ کی جو حضرت اسماعیلؑ کو پیاس سے جاں بلب دیکھ کر حضرت ہاجرہؑ نے صفا اور مروہ کے درمیان کی۔ کبھی صفا پر چڑھتیں' کبھی بھاگ کر جاتیں اور مروہ پر چڑھتیں۔ سعی کا پیغام یہ بھی ہے کہ اللہ کو ہم سے ارادہ کے ساتھ ساتھ سعی

بھی مطلوب ہے' عمل اور کوشش بھی مطلوب ہے' اور اسی پر وہ نتائج مرتب فرماتا ہے۔ "ہر انسان کے لیے وہی ہے جس کے لیے وہ سعی کرے" (النجم)' اور "جو آخرت کا ارادہ کرے اور اس کے لیے سعی کرے جیسا کہ سعی کرنے کا حق ہے ..... اس کی کوشش کی پوری پوری قدردانی کی جائے گی۔" سعی کا پیغام یہ بھی ہے کہ جب بندہ اپنی بندگی کو اللہ کے لیے خالص کرے' اور حتی المقدور کوشش میں اپنے کو لگا دے' تو اس کا رب اک پتھریلی وادی میں شیر خوار بچے کی ایڑیوں تلے بھی کبھی ختم نہ ہونے والا چشمہ جاری کر دیتا ہے۔

امت مسلمہ کی کشتی آج جس بھنور میں پھنسی ہوئی ہے' کیا وہ اس سے اپنے ہمہ اقتدار و اختیار رب پر ابراہیمؑ و ہاجرہؑ کی طرح کلّی بھروسہ کیے بغیر' اس کی فرمانبرداری کی راہ میں ان کی طرح اپنا سب کچھ حاضر کیے بغیر' اور اس راہ میں جان و مال سے سعی و جہد کیے بغیر' نکلنے کی کوئی راہ پا سکتی ہے؟ کیا جس کی نظر کے سامنے ہر روز پانچ مرتبہ بیت اللہ کی آیات بینات کو سامنے لانے کا اہتمام کیا گیا ہو' اس کی نفسیات میں ان سوالوں کی کوئی گنجائش ہو سکتی ہے کہ ایسی خراب قوم کیسے سدھرے گی' ایسے تاریک حالات کیسے بدلیں گے' ایسے بنجر اور سنگلاخ معاشروں میں نیکی کے چشمے کیسے پھوٹیں گے' ایسے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں روشنی کی کرن کیسے اور کہاں سے طلوع ہو گی' جبر و استبداد کی چٹانوں میں سے راستہ کیسے نکلے گا' حقیر کوششیں کیسے رنگ لائیں گی' زبردست طاقتوں کا مقابلہ کیسے ہوگا؟ اگر ایک عورت کا یہ یقین کہ اِذَنْ لَا یُضَیِّعُنَا (پھر اللہ ہم کو ضائع نہ کرے گا)' اور یہ اعلان کہ رَضِیْتُ بِاللّٰہِ (میں اللہ سے راضی ہوں)' اور اس کی صفا اور مروہ کے درمیان سعی وجہد کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ پتھروں کے ایک معمولی گھر کو یہ مقام عطا کر سکتا ہے' اور سنگلاخ زمین سے زم زم کا چشمہ رواں کر سکتا ہے' تو آج کی دنیا میں دین کو غلبہ کیوں حاصل نہیں ہو سکتا' اور ظلم و فساد سے بھری ہوئی دنیا میں نیکی کا چشمہ کیوں نہیں پھوٹ سکتا؟

دینے والا عاجز و درماندہ نہیں' نہ وہ اونگھ اور نیند کا شکار ہوتا ہے' لینے والے ہی عاجز و درماندہ ہو گئے ہیں' اپنے مقاصد سے اور اپنی قوت و سربلندی کے اصل خزانوں سے غافل ہو کر نیند میں مدہوش ہیں۔ سعی و عمل اور اخلاص و وفا کی جو دنیا ان سے مطلوب ہے اس کو انہوں نے اپنے ارادہ و اختیار سے باہر سمجھ کر رکھا ہے۔ انسانیت ہدایت کے لیے جاں بلب ہے' فساد کے بیابان میں زیر زمین امن کا چشمہ موجود ہے' مگر یہ دور اپنے ابراہیمؑ کا منتظر ہے۔

حج کا دن تکمیل دین اور اتمام نعمت کی بشارت کا دن بھی ہے۔ اس سے اگلے دن ہی ساری

دنیا کے مسلمان عید الاضحیٰ کا جشن مناتے ہیں، اور اللہ کے حضور قربانیاں پیش کرتے ہیں۔ کیا ان کے درمیان ربط کا ادراک بہت مشکل ہے۔ نزولِ قرآن کے آغاز کے دن، ضبطِ نفس اور تقویٰ، تلاوتِ قرآن اور قیامِ لیل کے ذریعہ قربِ الٰہی کے حصول کے لیے، وقف کیے گئے۔ تکمیلِ دین اور اتمامِ نعمت کے دن، قربانی اور حُبِ الٰہی کے حصول کے لیے مختص کیے گئے۔

تکمیل و اتمام بغیر قربانی کے ممکن نہیں، اور قربانی بغیر محبت کے ممکن نہیں۔ اسی لیے حج کے مناسک تمام تر عشق و محبت پر مشتمل ہیں۔ شاہ عبدالعزیزؒ لکھتے ہیں

> حضرت ابراہیمؑ کو حکم دیا گیا کہ سال میں ایک دفعہ اپنے کو سرگشتہ و شیدا بنا کر، دیوانوں کی طرح اور عشق بازوں کا وطیرہ اختیار کرکے، محبوب کے گھر کے گرد ننگے پاؤں، الجھے ہوئے بال، پریشان حال، گرد میں اٹے ہوئے، سرزمینِ حجاز میں پہنچیں، اور وہاں پہنچ کر کبھی پہاڑ پر، کبھی زمین پر، محبوب کے گھر کی طرف رخ کرکے کھڑے ہوں .... اس خانۂ تجلیات کے اردگرد چکر لگائیں، اور اس کے گوشوں کو چومیں چاٹیں۔

اسی محبت کی وجہ سے حضرت ابراہیمؑ میں یہ استعداد پیدا ہوئی کہ وہ ہر محبوب چیز کو اس کے لیے قربان کر دیں جو ایمان لاتے ہی سب سے بڑھ کر محبوب ہو جاتا ہے۔ **وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ**۔ اور جب محبت کی آخری آزمائش میں بیٹے کو قربان کر دینے کے لیے کہا گیا، تو انہوں نے بیٹے کے گلے پر بھی چھری رکھ دی۔ جب وہ محبت کی ان ساری آزمائشوں میں پورے اترے (**فَاَتَمَّهُنَّ**) تو اللہ تعالیٰ نے ان پر وہ نعمت بھی تمام کر دی جو دین کی نعمت کے اتمام کے ساتھ لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتی ہے۔

> **وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ**
>
> "یاد کرو کہ جب ابراہیمؑ کو اس کے رب نے چند باتوں میں آزمایا اور وہ ان سب میں پورا اتر گیا، تو اس نے کہا: "میں تجھے سب لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں" (البقرہ ۱۲۴:)

جو ایک مکمل دین کے حامل ہونے کا دعویٰ کرتے نہیں تھکتے، ان کو یہ سمجھنا چاہیے کہ جب تک وہ محبت کے اس چیلنج کا جواب دینے کے لیے تیار نہ ہوں گے کہ "کیا کوئی بھی چیز ایسی ہے جو اللہ، اس کے رسولؐ اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ محبوب ہے؟" اس وقت تک ان کے سروں پر سے امرِالٰہی ٹل نہیں سکتا، اور وہ وعدۂ الٰہی کے مستحق ہو نہیں سکتے۔

صدقِ خلیل بھی ہے عشق، صبرِ حسین بھی ہے عشق
معرکۂ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق

نفاذِ شریعت ایکٹ

——— استدراک ———

پروفیسر خورشید احمد

شریعت کے نفاذ کے لیے جن دستوری اور قانونی اصلاحات کی ضرورت ہے' اور اس سلسلہ میں جو کوششیں ہوئی ہیں' ان کے جائزے سے میرا مقصد جہاں اصولی مسائل کی تنقیح تھا وہیں اصل اور بڑا مقصد یہ تھا کہ خود شریعت کے نفاذ پر سیکولر اور قوم پرست حلقے جو اعتراضات کر رہے ہیں ان کا تعقب کیا جائے۔ شریعت بل جس شکل میں پارلیمنٹ سے منظور ہوا تھا وہ تمام دینی عناصر کے لیے سخت غیر تسلی بخش تھا' اور جماعت اسلامی کی مرکزی شوریٰ نے اس پر اپنی قرار داد میں مؤثر گرفت کی ہے جو میرے دل کی آواز ہے۔ الحمد للہ اب فیڈرل شریعت کورٹ نے بھی ان استثنائی شقوں کو خلاف شریعت قرار دے کر ان کو تبدیل کرنے کا حکم جاری کر دیا ہے۔ ان استثنائی شقوں پر ملک کے تمام دینی حلقوں نے شدید اضطراب کا اظہار کیا تھا' اور بلا شبہ امت کے اجتماعی ضمیر نے ان سے برأت کا اعلان کیا تھا' جس سے مجھے مکمل اتفاق ہے۔

مضمون کے ابتدائی حصے کے بارے میں چند مخلص اہلِ علم بزرگوں نے متوجہ کیا ہے کہ اس سے بل کی تائید کا پہلو نکل سکتا ہے۔ تو میں صاف الفاظ میں اس بات کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں کہ بل کی دفعہ ۲، ۳ اور ۱۹ میں جن مستثنیات کا ذکر ہے وہ شریعت سے متصادم ہیں۔ شریعت بل کو شریعت سے ہم آہنگ کرنے کے لیے ان کو کالعدم کرنا دین کا کم سے کم تقاضا ہے۔ اس میں اس امر کی وضاحت بھی کرنا چاہتا ہوں کہ دستور کی دفعہ ۲ میں ترمیم کے ذریعہ قرآن و سنت کی بالادستی کے قیام کے بغیر شریعت کا نفاذ نہیں ہو سکتا۔ اس دستوری ترمیم کے وعدے سے انحراف موجودہ حکومت کی طرف سے شرمناک بد عہدی ہی نہیں بلکہ اسلام کے بارے میں ان کی دو عملی کی بھی بدترین مثال ہے۔

تقویٰ

تقویٰ کی بات کرنے سے پہلے یہ سمجھنے کی کوشش کیجیے کہ تقویٰ ہے کیا چیز۔ تقویٰ حقیقت میں کسی وضع و ہیئت اور کسی خاص طرزِ معاشرت کا نام نہیں ہے بلکہ دراصل وہ نفس کی اس کیفیت کا نام ہے جو خدا ترسی اور احساسِ ذمہ داری سے پیدا ہوتی ہے اور زندگی کے ہر پہلو میں ظہور کرتی ہے۔ حقیقی تقویٰ یہ ہے کہ انسان کے دل میں خدا کا خوف ہو۔ عبدیت کا شعور ہو۔ خدا کے سامنے اپنی ذمہ داری و جواب دہی کا احساس ہو۔ اور اس بات کا زندہ ادراک موجود ہو کہ دنیا ایک امتحان گاہ ہے جہاں خدا نے ایک مہلت عمر دے کر مجھے بھیجا ہے اور آخرت میں میرے مستقبل کا فیصلہ بالکل اس چیز پر منحصر ہے کہ میں اس دیے ہوئے وقت کے اندر اس امتحان گاہ میں اپنی قوتوں و قابلیتوں کو کس طرح استعمال کرتا ہوں۔ اس سروسامان میں کس طرح تصرف کرتا ہوں جو مشیت الٰہی کے تحت مجھے دیا گیا ہے اور ان انسانوں کے ساتھ کیا معاملہ کرتا ہوں جن سے قضائے الٰہی نے مختلف حیثیتوں سے میری زندگی متعلق کر دی ہے۔ یہ احساس و شعور جس شخص کے اندر پیدا ہو جائے اس کا ضمیر بیدار ہو جاتا ہے۔ اس کی دینی حس تیز ہو جاتی ہے۔ اس کو ہر وہ چیز کھٹکنے لگتی ہے جو خدا کی پسند سے مختلف ہو۔ وہ اپنے نفس کا آپ جائزہ لینے لگتا ہے کہ میرے اندر کس قسم کے رجحانات و میلانات پرورش پا رہے ہیں۔ وہ اپنی زندگی کا خود محاسبہ کرنے لگتا ہے کہ میں کن کاموں میں اپنا وقت اور اپنی قوتیں صرف کر رہا ہوں۔ وہ صریح ممنوعات تو درکنار مشتبہ امور میں بھی مبتلا ہوتے ہوئے خود بخود جھجکنے لگتا ہے۔ اس کا احساس فرض اسے مجبور کر دیتا ہے کہ تمام اوامر کو پوری فرمانبرداری کے ساتھ بجا لائے۔ اس کی خدا ترسی ہر اس موقع پر اس کے قدم میں لرزش پیدا کر دیتی ہے جہاں حدود اللہ سے تجاوز کا اندیشہ ہو۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی نگہداشت آپ سے آپ اس کا وتیرہ بن جاتی ہے اور اس خیال سے بھی اس کا ضمیر کانپ اٹھتا ہے کہ کہیں اس سے کوئی بات حق کے خلاف

سرزد نہ ہو جائے۔ یہ کیفیت کسی ایک شکل یا کسی مخصوص دائرہ میں ہی ظاہر نہیں ہوتی بلکہ آدمی کے پورے طرزِ فکر اور اس کے تمام کارنامہ زندگی میں اس کا ظہور ہوتا ہے اور اس کے اثر سے ایک ایسی ہموار و یک رنگ سیرت پیدا ہوتی ہے جس میں آپ ہر پہلو سے ایک ہی طرز کی پاکیزگی و صفائی پائیں گے۔ بخلاف اس کے جہاں تقویٰ بس اس چیز کا نام رکھ لیا گیا ہے کہ آدمی چند مخصوص شکلوں کی پابندی اور مخصوص طریقوں کی پیروی اختیار کرے اور مصنوعی طور پر اپنے آپ کو ایک ایسے سانچے میں ڈھال لے جس کی پیمائش کی جا سکتی ہو، وہاں آپ دیکھیں گے کہ وہ چند اشکالِ تقویٰ جو سکھا دی گئی ہیں، ان کی پابندی تو انتہائی اہتمام کے ساتھ ہو رہی ہے، مگر اس کے ساتھ زندگی کے دوسرے پہلوؤں میں وہ اخلاق، وہ طرزِ فکر اور وہ طرزِ عمل بھی ظاہر ہو رہے ہیں جو مقامِ تقویٰ تو درکنار، ایمان کے ابتدائی مقتضیات سے بھی مناسبت نہیں رکھتے۔ یعنی حضرت مسیحؑ کی تمثیلی زبان میں مچھر چھانے جا رہے ہیں اور اونٹ بے تکلفی کے ساتھ نگلے جا رہے ہیں۔

حقیقی تقویٰ اور مصنوعی تقویٰ کے اس فرق کو یوں سمجھیے کہ ایک شخص تو وہ ہے جس کے اندر طہارت و نظافت کی حس مضبوط ہے اور پاکیزگی کا ذوق پایا جاتا ہے۔ ایسا شخص گندگی سے فی نفسہٖ نفرت کرے گا خواہ وہ جس شکل میں بھی ہو اور طہارت کو بجائے خود اختیار کرلے گا خواہ اس کے مظاہر کا احاطہ نہ ہو سکتا ہو۔ بخلاف اس کے ایک دوسرا شخص ہے جس کے اندر طہارت کی حس موجود نہیں ہے مگر وہ گندگیوں اور طہارتوں کی ایک فہرست لیے پھرتا ہے جو کہیں سے اس نے نقل کرلی ہے۔ یہ شخص ان گندگیوں سے تو سخت اجتناب کرے گا جو اس نے فہرست میں لکھی ہوئی پائی ہیں، مگر بے شمار ایسی گھناؤنی چیزوں میں آلودہ پایا جائے گا جو ان گندگیوں سے بدرجہا زیادہ ناپاک ہوں گی جن سے وہ بچ رہا ہے، صرف اس وجہ سے کہ وہ اس فہرست میں درج ہونے سے رہ گئیں۔ یہ فرق جو میں آپ سے عرض کر رہا ہوں، یہ محض ایک نظری فرق نہیں ہے بلکہ آپ اس کو اپنی آنکھوں سے ان حضرات کی زندگیوں میں دیکھ سکتے ہیں جن کے تقویٰ کی دھوم مچی ہوئی ہے۔ ایک طرف ان کے ہاں جزئیاتِ شرع کا یہ اہتمام ہے کہ داڑھی ایک خاص مقدار سے کچھ بھی کم ہو تو فسق کا فیصلہ نافذ کر دیا جاتا ہے۔ پائنچہ ٹخنے سے ذرا نیچے ہو جائے تو جہنم کی وعید سنا دی جاتی ہے۔ اپنے مسلکِ فقہی کے فروعی احکام سے ہٹنا ان کے نزدیک گویا دین سے نکل جانا ہے لیکن دوسری طرف دین کے اصول و کلیات سے ان کی غفلت اس حد کو پہنچی ہوئی ہے کہ مسلمانوں کی پوری زندگی کا مدار انہوں نے رخصتوں اور

سیاسی مصلحتوں پر رکھ دیا ہے۔ اقامت دین کی سعی سے گریز کی بے شمار راہیں انھوں نے نکال رکھی ہیں۔ غلبہ کفر کے تحت "اسلامی زندگی" کے نقشے بنانے ہی میں ان کی ساری محنتیں اور کوششیں صرف ہو رہی ہیں اور انھی کی غلط رہنمائی نے مسلمانوں کو اس چیز پر مطمئن کیا ہے کہ ایک غیر اسلامی نظام کے اندر رہتے ہوئے' بلکہ اس کی خدمت کرتے ہوئے بھی ایک محدود دائرے میں مذہبی زندگی بسر کر کے وہ دین کے سارے تقاضے پورے کر سکتے ہیں۔ اس سے آگے کچھ مطلوب نہیں ہے جس کے لیے وہ سعی کریں۔ پھر اس سے بھی زیادہ افسوسناک بات یہ ہے کہ اگر کوئی ان کے سامنے دین کے اصلی مطالبے پیش کرے اور سعی اقامت دین کی طرف توجہ دلائے تو صرف یہی نہیں کہ وہ اس کی بات سنی ان سنی کر دیتے ہیں' بلکہ کوئی حیلہ' کوئی بہانہ اور کوئی چال ایسی نہیں چھوڑتے جو اس کام سے خود بچنے اور مسلمانوں کو بچانے کے لیے استعمال نہ کریں۔ اس پر بھی ان کے تقویٰ پر کوئی آنچ نہیں آتی اور نہ مذہبی ذہنیت رکھنے والوں میں سے کسی کو یہ شک ہوتا ہے کہ ان کے تقویٰ میں کوئی کسر ہے۔ اسی طرح حقیقی اور مصنوعی تقویٰ کا فرق بے شمار شکلوں میں ظاہر ہوتا ہے مگر آپ اسے تب ہی محسوس کر سکتے ہیں کہ تقویٰ کا اصلی تصور آپ کے ذہن میں واضح طور پر موجود ہو۔

میری ان باتوں کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ وضع قطع' لباس اور معاشرت کے ظاہری پہلوؤں کے متعلق جو آداب و احکام حدیث سے ثابت ہیں۔ میں ان کا استخفاف کرنا چاہتا ہوں یا انھیں غیر ضروری قرار دیتا ہوں۔ خدا کی پناہ اس سے کہ میرے دل میں ایسا کوئی خیال ہو۔ دراصل جو کچھ میں آپ کے ذہن نشین کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اصل شے حقیقت تقویٰ ہے نہ کہ یہ مظاہر۔ حقیقت تقویٰ جس کے اندر پیدا ہو گی اس کی پوری زندگی ہمواری و یک رنگی کے ساتھ اسلامی زندگی بنے گی۔ اسلام اپنی پوری ہمہ گیری کے ساتھ اس کے خیالات میں' اس کے جذبات و رجحانات میں' اس کے مذاقِ طبیعت میں' اس کے اوقات کی تقسیم اور اس کی قوتوں کے مصارف میں' اس کی سعی کی راہوں میں' اس کے طرز زندگی اور معاشرت میں' اس کی کمائی اور خرچ میں' غرض اس کی حیات دنیوی کے سارے ہی پہلوؤں میں رفتہ رفتہ نمایاں ہوتا چلا جائے گا۔ بخلاف اس کے اگر مظاہر کو حقیقت پر مقدم رکھا جائے گا اور ان پر بے جا زور دیا جائے گا اور حقیقی تقویٰ کو تخم ریزی اور آبیاری کے بغیر مصنوعی طور پر چند ظاہری احکام کی تعمیل کرا دی جائے گی' تو نتائج وہی کچھ ہوں گے جن کا میں نے ابھی آپ سے ذکر کیا ہے۔ پہلی چیز دیر طلب اور صبر آزما ہے۔ بتدریج نشوونما پاتی اور ایک مدت کے بعد برگ و بار لاتی ہے' جس

بقیہ بر صفحہ ۲۵

رسول اکرمؐ کا معجزۂ کلام

ڈاکٹر سید اسعد گیلانی

اسلام کی انقلابی دعوت کے لیے حضورؐ کے پاس ایک موثر ہتھیار موجود تھا۔ یہ حضورؐ اکرم کا نطق مبارک تھا۔ یہ معجزہ آپؐ کا اپنا کلام تھا۔ آپؐ کے کلام کی مٹھاس کی خوبی' اس کی جامعیت اور اس کا اعجاز ایجاز دلوں کی دنیا اور عالم احساس میں زبردست ارتعاش پیدا کر دیتا تھا۔ حضورؐ کو اللہ تعالیٰ نے کلام کا ایک ایسا سلیقہ عطا فرمایا تھا جو دلوں کو اپنی گرفت میں لے لیتا تھا اور پھر انہیں سکون و اطمینان کی دولت دے کر اپنے خالق حقیقی کی طرف راغب کر دیتا تھا۔

حضورؐ کی باتوں میں عجیب تاثیر تھی۔ اس تاثیر کی حلاوت' شیرینی' دلپذیری' دلربائی' دلفریبی دلکشی' دلبستگی اور دلاویزی کا کوئی جواب نہ تھا۔ حضورؐ کی بات میں مٹھاس ہی مٹھاس تھی۔ حضورؐ کی بات میں کشش ہی کشش تھی۔ ویسے تو حضورؐ کی شخصیت ہی دلکشی کا مرقع تھی لیکن جب اس حسین و جمیل اور مجسمہ رعب و جلال شخصیت کی زبان مبارک سے کوئی کلام نکلتا تھا تو جیسے نور کا ایک فوارہ پھوٹ پڑتا تھا۔ جیسے سماعت کی شیرینی کا دھارا بہہ نکلتا تھا۔ جیسے خوشبو کا جھونکا آجاتا تھا۔ ظاہر ہے کہ انسان کی گفتگو ہی اس کی ساری شخصیت اور اس کے اخلاق و اطوار کی نمائندگی کرتی ہے۔ اور شخصیت ہی انسان کے اندر سے بولتی ہے۔ اور حضورؐ کی شخصیت تو رحمت عالم تھی۔ آپ کی زبان سے جو بات نکلتی وہ بات کلام حبیب خدا ہوتی تھی۔ آپ کی گفتار گفتار رسول تھی۔ ظاہر ہے کہ آپ کے کلام و گفتار کا کسی عام انسان کے کلام سے کیا مقابلہ و موازنہ کیا جا سکتا ہے۔

جب حضورؐ بات کرتے تو جیسے آپ کے منہ سے پھول جھڑتے تھے۔ آخر جو دہن قرآن پاک جیسے چشمہ صافی کا دہانہ قرار پایا ہو اس کی خوبی و لطافت کا کیا ٹھکانا ہو سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ کلام کوئی مجرد شے نہیں' بلکہ اس کے پیچھے بولنے والی ہستی کا کردار' اخلاق' شخصیت' مرتبہ اور علم و

فضل ہوتا ہے۔ کلام کے موضوعات' انتخاب' مضمون' ترتیب' الفاظ و ترکیب' فقرات' آواز اور لہجہ ——— یہ ساری چیزیں خود بولنے والی شخصیت کا پایہ اور وزن بیان کر دیتی ہیں۔

حضورؐ ایک ایسی متوازن دعوت زندگی کے حامل تھے جس میں کوئی افراط و تفریط نہ تھی۔ اس دعوت میں وہ سب کچھ موجود تھا جو اعتدال کے ساتھ انسان میں مطلوب ہے۔ اس میں دنیا و آخرت کا حسن و توازن موجود تھا۔ تزکیۂ ذات و اجتماع' اصلاحِ فرد و معاشرہ' انفرادیت کی خوبیاں اور اجتماعیت کی ضروریات' اپنی ذمہ داریوں کا احساس اور دوسروں کے دکھوں میں شرکت اور ان کا مداوا' سب کی شادی میں مسرت اور غمی میں حزن و ملال' دلنواز تبسم بھی اور رقّت کے آنسو بھی' سنجیدگی کے ساتھ مزاح' نصیحت کے ساتھ مدد' اور علم کے ساتھ عمل ——— حضورؐ کی زندگی' نمونے کی مثالی زندگی تھی۔ اس لیے آپ کا کلام متوازن ترین کلام تھا۔ جس دہن سے قرآن نکلتا اور انسانوں کو مبہوت کر دیتا تھا' اسی دہن سے پیغمبرانہ کلام نکلتا اور دلوں کی ویران بستیوں کو گل و گلزار اور ذہنوں کی بجھتی شمعوں کو پر نور کر دیتا تھا۔

حضورؐ کا واسطہ ہر قسم کے انسان سے تھا۔ آغازِ دعوت کے بعد حضورؐ غارِ حرا کے نہیں بلکہ دنیا جہاں کے لیے مبلغ بن کر نمودار ہوئے تھے۔ آپ دن رات تبلیغ کے سلسلے میں لوگوں سے بات چیت کرتے تھے۔ دین کی معلومات لینے والے ساتھی' استفسارات کرنے والے اجنبی' مزاحمت کرنے والے کفار' مخالفت کرنے والے مشرکین' الزامات و اتہامات لگانے والے دشمن' دیہاتی گنوار اور شہر کے دوکاندار' تاجر' مزدور' قبائل کے سردار' شاعر' خطیب' غرض ہر رنگ کا آدمی آپ سے ملتا اور بات کرتا تھا' اور آپ کو ان سب قسم کے لوگوں سے واسطہ پڑتا تھا۔

آپؐ طویل باتیں کرتے تو اپنا وقت ضائع کرتے اور تبلیغِ دین کا راستہ کھوٹا ہوتا۔ الجھ جاتے تو دین کا راستہ الجھ جاتا۔ ناراض ہوتے تو لوگ منتشر ہو جاتے۔ گھبرا جاتے تو لوگ مزید پریشانی پیدا کر دیتے۔ لوگوں کو منہ نہ لگاتے تو تبلیغ نہ ہو سکتی' اور دین کا کام رک جاتا۔ ہر شخص سے اس کی حیثیت' ذہنی صلاحیت اور معاشرتی سطح کے مطابق بات نہ کرتے تو لوگوں کے لیے بات کا سمجھنا مشکل ہو جاتا۔ لوگوں کے ذاتی مسائل سے دلچسپی نہ لیتے تو لوگ بد دل اور مایوس ہو کر بکھر جاتے۔ تیز تیز گفتگو کرتے تو ہدایت کی بنیاد گہری نہ ہو سکتی' اور لوگوں کے لیے بات کا سمجھنا اور اسے دل میں بٹھانا اور اسے یاد کر کے حرز جاں بنانا مشکل ہو جاتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے حضورؐ اکرمؐ کے کلام کو بھی اس ضرورت اور کام کے مطابق بنایا تھا جس ضرورت اور کام کے لیے حضورؐ کو رسول بنا کر بھیجا گیا تھا۔ جس طرح حضورؐ کی ہر چیز' ہر بات' ہر حرکت' ہر ادا' اور ہر

صلاحیت، نبوت و رسالت کے لیے موزوں ترین تھی اور خالقِ کائنات کا یہ انتخاب سراسر برحق تھا' اسی طرح حضورؐ کا کلام بھی کلامِ نبوت تھا اور اس کارِ تبلیغ و رسالت کے لیے آپ موزوں ترین متکلم تھے۔

گفتگو میں حضور ٹھہر ٹھہر کر بات کرتے تھے۔ اس ٹھہراؤ میں خوبصورتی' رعنائی اور دلنوازی ہوتی تھی' تاکہ لوگ ایک ایک لفظ سن لیں' سمجھ لیں' یاد کر لیں' اور اگر کچھ پوچھنا ہو تو سوچ سمجھ کر موقعہ پر پوچھ لیں۔ حضورؐ کے الفاظ منتخب اور موزوں ترین ہوتے' نگینوں کی طرح جڑے ہوئے' جن کو ان کی جگہ سے ہلایا نہ جا سکتا تھا۔ حضور کا لہجہ دھیما ہوتا' جس میں رحمت' شفقت' محبت اور بزرگی کی ملاوٹ ہوتی۔ کوئی دشمن بھی آپ کی بات سنتے ہوئے کاٹنے کی جرات نہ کرتا تھا۔ آپ اپنے مخالف کو پورے اطمینان سے بات کرنے کا موقعہ دیتے' اور اس کی بات اس وقت تک پوری توجہ اور انہماک سے سنتے رہتے جب تک وہ اپنی بات بیان کرنا چاہتا۔ پھر جواباً اپنی بات بھی آپ نہایت اطمینان سے کہتے' لیکن مختصر ترین الفاظ میں تاکہ سننے والا بے دھیان نہ ہو جائے' گھبرا نہ جائے یا سلسلہ بیان بھول نہ جائے۔ سہل بیانی' اختصار اور جامعیت' یہ حضورؐ کی گفتگو کا محوری سانچہ ہوتا۔ حضور کی ساری گفتگو انہی اخلاقی اور نفسیاتی اصولوں کا اہتمام لیے ہوئے ہوتی۔ حضور کی گفتگو کی اس حسین انفرادیت نے آپ کی بات کو بے حد مؤثر و دلنشین اور ناقابل فراموش بنا دیا تھا۔ ہر شخص حضورؐ سے گفتگو کرتے ہی آپ کی گفتگو کے اس حسن کو محسوس کرتا اور اس سے متاثر ہوتا تھا۔

حضورؐ کی گفتگو میں ادب کی چاشنی' مثال کی دلچسپی' الفاظ کی خوبی اور سہولت فہم کی آسانی موجود ہوتی تھی۔ مخاطب آپ کی بات سنتے ہی پوری طرح متوجہ ہو جاتا تھا۔ دنیا بھر کی زبانوں میں اقوالِ زریں' ادبِ عالیہ کی وہ قسم ہے جو خوبصورت ترین الفاظ پر مشتمل ہوتی ہے۔ یہ تجربات زندگی کا نچوڑ ہوتا ہے۔ اس کا ایک ایک جملہ زندگی کی داستانیں بیان کر دیتا ہے۔ ایسے اقوال کا ایک ناصحانہ جملہ بھی بعض اوقات پوری کتاب زندگی کا کام دیتا ہے۔ حضورؐ کے کلام میں یہ خصوصیت تھی کہ آپؐ کا پورا کلام ہی بالعموم اقوالِ زریں کا عمدہ ترین نمونہ ہوتا تھا۔ آپؐ کی بات سننے والا ہر شخص آپؐ کے ایک ایک لفظ کو جمع کر کے حرزِجاں بنا کر رکھنا چاہتا تھا۔ جس طرح کوئی شخص پھول کو پا لینے کے بعد اسے پھینک دینا پسند نہیں کرتا' جس طرح کوئی جوہری لعل و گہر کو پالینے کے بعد اسے ضائع کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا' اسی طرح ایک با اخلاق اور باذوق انسان عمدہ کلامِ حکمت کا ایک جملہ بھی پا لینے کے بعد اسے بھول جانا پسند نہیں کرتا۔ یہی وجہ

ہے کہ قرآن کے علاوہ حضورؐ کے صحابہؓ نے حضورؐ کے ارشادات کو بھی اچھی طرح یاد رکھا' اور محنت سے محفوظ کیا۔ حضور کے جامع اقوالِ زریں جوامع الکلم کہلاتے ہیں۔ جو حیرت انگیز ادبیت اور معنویت کے حامل ہیں۔ مثلاً حضرت علیؓ نے حضور اکرمؐ سے آپؐ کے مسلکِ زندگی کے بارے میں سوال کیا۔ حضورؐ نے جو اس کا تاریخی جواب دیا وہ حکمتِ انسانی کا جامع ترین نمونہ' اور ادبیت و معرفتِ الٰہی کا منفرد شاہکار ہے' فرمایا۔

☆ عرفان میرا سرمایہ ہے۔
☆ عقل میرے دین کی اصل ہے۔
☆ محبت میری بنیاد ہے۔
☆ شوق میری سواری ہے۔
☆ ذکرِ الٰہی میرا مونس ہے۔
☆ اعتماد میرا خزانہ ہے۔
☆ حزن میرا رفیق ہے۔
☆ علم میرا ہتھیار ہے۔
☆ صبر میرا لباس ہے۔
☆ رضائے الٰہی میری غنیمت ہے۔
☆ عجز میرا فخر ہے۔
☆ زہد میرا روزگار ہے۔
☆ یقین میری قوت ہے۔
☆ صدق میری سفارش ہے۔
☆ جہاد میرا کردار ہے۔
☆ طاعت میری پناہ ہے۔
☆ اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

آپ کا ایک اور کلام صحاح ستہ میں درج ہے۲؎۔ جو مختصر' سادہ' پر صداقت' معانی کا خزانہ اور ہدایت کا گنجینہ ہے۔ اس کے معانی اور تاثیر پر غور کیجئے' فرمایا:
خبردار' بدگمانی سے بچو جو جھوٹی بات ہے۔ نہ عیب جوئی کرو اور نہ تجسس کرو۔ جھگڑے اور حسد سے بچو' باہمی بغض نہ رکھو۔ نہ غیبت کرو۔ اللہ کے بندو' بھا؟

بھائی بن کر رہو۔ مسلمان اپنے بھائی پر ظلم نہ کرے۔ نہ اسے حقیر سمجھے۔ مسلمان کا مال' خون اور آبرو دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ صورتوں اور جسموں کو نہیں دل کو دیکھتا ہے۔

حضورؐ کی دعوت کا نمونہ دیکھیے۔ فرمایا

حاضرین' میں تم سب کے لیے دنیا و آخرت کی بہبود لے کر آیا ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ عرب بھر میں کوئی شخص بھی اپنی قوم کے لیے اس سے بہتر اور افضل کوئی شے لایا ہو۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ میں تم سب لوگوں کو اس کی دعوت دوں۔ بتاؤ تم سے کون میرا ساتھ دے گا؟۔

یہ مختصر ترین' لیکن نہایت جامع' ہمدردانہ اور مشفقانہ اولین دعوتی تقریر تھی۔ اس میں اپنے مخاطبین کی ہمدردی' بھلائی اور بہبودی کا پورا پورا اور گہرا جذبہ پایا جاتا ہے۔

اس کے بعد دوسرے موقع پر آپؐ نے شہر کے عام باشندوں کو صفا کی پہاڑی پر کھڑے ہو کر بلایا۔ جب وہ آئے تو سب سے پہلے ان سے اپنے کردار اور اخلاق کی تصدیق کروائی۔

آپ نے فرمایا'

"لوگو' تم مجھے بتاؤ کہ تم مجھے سچا سمجھتے ہو یا جھوٹا جانتے ہو"؟

عام لوگوں نے پکار کر کہا'

"ہم آپ کو امین اور صادق جانتے ہیں۔ ہم نے آپ سے کوئی بیہودہ بات کبھی نہیں سنی"۔

پھر آپ نے (جواب میں) فرمایا'

"اچھا دیکھو' میں پہاڑی پر کھڑا ہوں اور تم اس کے نیچے ہو اس پہاڑ کے اِدھر بھی دیکھ رہا ہوں اور اُدھر بھی میری نظر جاتی ہے اب اگر میں یہ کہوں کہ مجھے ڈاکوؤں کا ایک مسلح گروہ نظر آرہا ہے جو مکہ پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے تو کیا تم یقین کرو گے"۔

لوگوں نے پکار کر کہا'

"بے شک ہم یقین کریں گے' آپ راستباز بھی ہیں اور بلند جگہ پر بھی کھڑے ہیں"۔

حضورؐ نے فرمایا'

"اچھا تو پھر میں کہتا ہوں کہ اب تم یہ بھی یقین کر لو کہ موت ہم سب کے سر پر منڈلا رہی ہے۔ اور سب کو خدا کے سامنے حاضر ہونا اور اپنا حساب دینا ہے۔ میں خدا کا رسول ہوں اور عالمِ آخرت کو بھی ویسے ہی دیکھ رہا ہوں جیسے تم اس دنیا کو دیکھ رہے ہو"۔

یہ مختصرترین' سہل ترین پیرائے میں اسلام کی دعوت تھی جس میں ہر بات کو سمیٹ کر بیان کر دیا گیا ہے۔ اس میں دعوے کے ساتھ دلیل بھی موجود ہے۔ یہاں حضورؐ نے اپنے کردار کو نبوت کے دعوے کے لیے دلیل کے طور پر پیش کیا ہے اور لوگوں نے اس معجزۂ نبوت کا اقرار کیا ہے جو چالیس سال سے ان کے سامنے موجود تھا اور جو اُجلا ہی اُجلا تھا اس میں کوئی اخلاقی داغ موجود نہ تھا۔ حضور کا کلام جہاں تھوڑے سے الفاظ میں معانی کے سمندر بیان کر دیتا ہے وہاں آسانی' سادگی اور لطافت میں بھی اپنا ثانی نہ رکھتا تھا۔

ایک شخص' عمر بن عتبہ نے حضور سے کچھ سوالات کیے' اور حضور نے ان کے مختصر ترین جوابات دیے۔ یہ ایک ایسا دلنشین انٹرویو ہے جس کے مطالعہ سے علم و آگہی کے در کھل جاتے ہیں ۳۔

○ اس کام میں (ابتدا") کون آپ کے ساتھ تھا؟

☆ ایک مردِ آزاد (ابوبکر) اور ایک غلام (حضرت بلال)۔

○ اسلام کیا ہے؟

☆ پاکیزہ گفتار اور حاجتمندوں کو کھانا کھلانا۔

○ ایمان کیا ہے؟

☆ صبر اور سخاوت۔

○ کس کا اسلام افضل ہے؟

☆ "اس شخص کا جس کے ہاتھ اور زبان کی زیادتیوں سے مسلمان محفوظ رہیں"۔

○ "کیسا ایمان افضل ہے"؟

☆ "جس کے ساتھ پسندیدہ اخلاق پایا جائے"۔

○ "کیسی نماز افضل ہے"؟

☆ "جس میں دیر تک عاجزی سے قیام کیا جائے"۔

○ "کیسی ہجرت افضل ہے"؟

☆ "ایسی کہ تم ان چیزوں سے کنارہ کش ہو جاؤ جو تمہارے پروردگار کو ناپسند ہیں۔"

○ "کیسا جہاد افضل ہے"؟

☆ "اس شخص کا جس کا گھوڑا میدان میں مارا جائے اور وہ خود بھی شہادت پائے"؟

○ "کون سی گھڑی (عبادت کے لیے) افضل ہے؟"۔

☆ "رات کا پچھلا پہر"۔

○ کسی شخص نے پوچھا "دوزخ تک پہنچانے والی کونسی چیزیں ہیں"۔

☆ حضورؐ نے فرمایا "منہ اور شرمگاہ"۔

حضورؐ نے ایک تقریر فرمائی جس کا ایک ایک فقرہ موتیوں کی لڑی اور ایک ایک لفظ لعل و جواہر ہے۔ حمد و ثنا کے بعد آپؐ نے ارشاد فرمایا'

"سب سے سچی بات اللہ کی کتاب ہے۔ سب سے زیادہ قابلِ اعتماد چیز تقویٰ کی بات ہے۔ بہترین ملت ابراہیم کی ملت ہے۔ بہترین کام وہ ہیں جو قرآن سے ثابت ہوں اور بد ترین کام بدعات ہیں۔ سب سے بہتر طریقہ انبیا کا ہے اور سب سے عزت کی موت شہادت ہے۔ بدترین بے بصیرتی ہدایت کے بعد گمراہی ہے۔ بہترین عمل وہ ہے جو نفع بخش ہو اور بہترین ہدایت وہ ہے جس کی پیروی کی جائے۔ بدترین اندھا پن دل کی کوری ہے۔ اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے۔ تھوڑی چیز اگر کافی ہو تو اس وافر سے بہتر ہے جو غفلت پیدا کرے۔ بدترین معذرت موت کے وقت کی معذرت ہے اور بدترین ندامت قیامت کے دن کی ندامت ہے۔ بعض لوگ جمعہ کو دیر سے آتے ہیں اور ان کے دل پیچھے لگے ہوتے ہیں۔ سب گناہوں سے بڑا گناہ جھوٹی زبان ہے اور بہترین تونگری دل کی بے نیازی ہے۔ بہترین توشہ تقویٰ ہے۔ دانائی کی بنیاد خدا کا خوف ہے۔ دلنشین باتوں میں بہترین چیز یقین ہے۔ شک کفر کی ایک شاخ ہے۔ نوحہ جاہلیت کا کام ہے۔ مالِ غنیمت میں چوری جہنم کا ایندھن ہے۔ شراب کی بدمستی گناہوں کا ذخیرہ ہے۔ شعر ابلیس کا حصہ ہے۔ بدترین غذا یتیم کا مال ہے۔ سعادت مند وہ ہے جو نصیحت حاصل کرے اور بد بخت وہ ہے جو شقی ہے۔ مومن کو گالی دینا فسق ہے' اس کے ساتھ قتال کرنا کفر ہے اور اس کی غیبت کرنا نا فرمانی ہے۔

اس کے مال کی حرمت اس کے خون کی حرمت کی طرح ہے۔ جو کسی کا عیب چھپاتا ہے خدا اس کے عیب چھپاتا ہے۔ جو معافی دیتا ہے اسے معافی دی جاتی ہے۔ جو غصے کو پی جاتا ہے خدا اسے اجر دیتا ہے۔ جو چغلی کو پھیلاتا ہے خدا اس کی رسوائی عام کر دیتا ہے۔ جو صبر کرتا ہے خدا اسے بڑھاتا ہے جو بلا ضرورت قسمیں کھاتا ہے اللہ اسے جھوٹا کر دیتا ہے اور جو شخص مغفرت طلب کرتا ہے اللہ اس سے درگزر کرتا ہے۔ ۴۔

حضورؐ سے قیامت کے آثار کے بارے میں استفسار کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا:

"جب مالِ غنیمت کو دولت قرار دیا جائے۔ جب امانت کو ضائع کیا جائے۔ جب زکوٰۃ کو تاوان سمجھا جائے۔ جب علم کی تحصیل دنیا کمانے کے لیے ہو' جب مرد عورت کی اطاعت کرنے لگے۔ جب ماں کی نافرمانی اور اس سے سرکشی ہونے لگے۔ جب آدمی باپ سے دور اور دوستوں کے قریب ہونے لگے۔ جب مسجدوں میں آوازیں بلند ہونے لگیں۔ جب قوم کے فاسق قوم کی سرداری کرنے لگیں۔ جب قوم کا بدترین شخص قوم کا لیڈر بن جائے۔ جب کسی کی عزت اس کے شر سے بچنے کے لیے کی جائے۔ جب گانے اور باجے عام ہو جائیں۔ جب شرابوں کے علانیہ دور چلنے لگیں۔ جب امت کے پچھلے لوگ اگلوں پر طعن کرنے لگیں تو پھر تم انتظار کرو آندھیوں اور زلزلوں کا' زمین کے دھنسنے اور صورتوں کے مسخ ہونے کا' پتھروں کی بارش اور اللہ کی جانب سے ایسی پے در پے آفات کا جس طرح تسبیح ٹوٹ گئی ہو اور دانے یکے بعد دیگرے گر رہے ہوں۔ ۵۔

اس طرح حضورؐ نے قیامت کے دن سایۂ عرشِ الٰہی کو حاصل کرنے والے سات افراد کا ذکر کیا۔ حضورؐ کی اس وصیت میں ایک جہانِ نصیحت پوشیدہ اور نیک عملی کا درس موجود ہے۔ حضورؐ نے فرمایا "جب سایۂ الٰہی کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا اس دن اللہ تعالیٰ سات قسم کے لوگوں کو اپنے سائے تلے جگہ دے گا۔

☆ وہ جوان جس نے اللہ کی بندگی اور اطاعت میں نشوونما پائی۔

☆ وہ شخص جو مسجد سے نکلتا ہے تو اس کا دل مسجد میں ہی اٹکا رہتا ہے۔

☆ وہ دو شخص جنہوں نے محض خدا کے لیے آپس میں محبت کی' جمع ہوئے یا جدا ہوئے تو اسی بنیاد پر۔

☆ وہ شخص جس نے تنہائی میں خدا کو یاد کیا تو خشیت الٰہی سے اس کی آنکھیں بھر آئیں۔
☆ جس نے اللہ سے ڈر کر بدکاری سے اجتناب کیا۔
☆ اور وہ شخص جس نے یوں صدقہ دیا کہ اس کے دوسرے ہاتھ کو خبر نہ ہوئی۔

حضورؐ کو گھمنڈ کرنے والے، بڑے بول بولنے والے، شیخی باز اور فحش گو پسند نہ تھے۔ حضورؐ کے کلام میں حُسن، فروتنی، حکمت، شگفتگی، نصیحت، پاکیزگی اور خوش خلقی کے اجزا پائے جاتے تھے اور یہی اجزا ہیں جو مخاطب کے دل کو موہ لیتے ہیں۔ حضورؐ قُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا کی قرآنی ہدایت کے مطابق لوگوں سے حسن تکلم سے پیش آتے تھے اور یہی پُرحکمت حسنِ تکلم حضورؐ کی وہ لسانی قوت تھی جس کی زد میں آنے کے بعد مخاطب آپؐ کو آسانی سے جھٹلانے کی جرأت نہیں کرتا تھا۔ سعید فطرت لوگوں نے ہمیشہ آپ کو دیکھ کر ہی کہہ دیا کہ "یہ جھوٹے کا چہرہ نہیں ہو سکتا"۔ لیکن جب کوئی حضورؐ کی مجلس میں بیٹھتا یا آپ کی بات سنتا اور آپؐ سے مخاطب ہوتا، تب وہ حقیقی معنی میں حضورؐ کی قوتِ خطابت سے آگاہ ہوتا تھا۔ آغازِ دعوتِ اسلامی میں بستی کے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے آپؐ نے ایک بار فرمایا،

"قافلے کا نگہبان کبھی اہلِ قافلہ کو غلط خبر نہیں دیا کرتا۔ خدا کی قسم اگر (بفرض محال) میں اور سب لوگوں سے غلط بات کہنے پر آمادہ بھی ہو جاتا تو تم سے کبھی کوئی غلط بات نہ کہتا۔ اور اگر دوسروں کو ہلاکت کے خطرے سے دوچار بھی کر دیتا تو تم کو تو کبھی ہلاکت کے خطرے سے دوچار نہ کرتا۔ اس خدا کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے کہ میں تمہاری طرف خصوصاً" اور پھر دیگر انسانوں کی طرف خدا کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ بخدا تم کو ایک روز لازماً مرنا ہے۔ جیسے کہ تم سوتے ہو اور پھر مرنے کے بعد جی اٹھنا ہے جیسے کہ تم نیند سے بیدار ہو جاتے ہو۔ تم سے لازماً" تمہارے اعمال کا حساب لیا جانا ہے اور تمہیں بھلے کا بھلا اور برے کا برا بدلہ ضرور ملنا ہے۔ پھر یا تو ہمیشہ کی جنت ہوگی یا ہمیشہ کی دوزخ ------- سن لو، میں تمہارا خیر خواہ ہوں"۔ ۶۔

اس طرح حضورؐ نے نہایت خوبی کے ساتھ اہلِ مکہ کو ہمدردی، محبت، شفقت اور اعتماد کے رنگ میں دنیا و آخرت کے مسائل سے آگاہ کیا اور انہیں ان کے فرائض یاد دلائے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضورؐ کے کردار جیسے قیمتی سونے کے ساتھ قرآن جیسے قیمتی لعل و جواہر کا

اضافہ اتنا عظیم سرمایہ اور دعوتِ اسلامی کا اتنا زبردست مؤثر انقلابی اسلحہ تھا جس کا کوئی توڑ نہ تھا۔ پھر اس کے ساتھ حضورِ اکرمؐ کے پُر تاثیر کلام نے اس انقلابی قوت و توانائی کو مزید چار چاند لگا دیے تھے' اسی لیے حضورؐ کامیاب ترین مبلغ اور داعی تھے۔

۱۔ کتاب الشفا از قاضی عیاض

۲۔ رحمتہ اللعالمین جلد سوم ۱۳۹۔۱۳۸

۳۔ مشکوٰۃ کتاب الایمان

۴۔ مسند احمد بن حنبل عن الجابیہ

۵۔ ترمذی

۶۔ جمہرہ الخطب

بقیہ : حکمتِ مودودیؒ

طرح بیج سے درخت کے پیدا ہونے اور پھل پھول لانے میں کافی دیر لگا کرتی ہے۔ اسی لیے سطحی مزاج کے لوگ اس سے اُکتاتے ہیں۔ بخلاف اس کے دوسری چیز جلدی اور آسانی سے پیدا کرلی جاتی ہے۔ جیسے ایک لکڑی میں پتے اور پھل اور پھول باندھ کر درخت کی سی شکل بنا دی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ تقویٰ کی پیداوار کا یہی ڈھنگ آج مقبول ہے' لیکن ظاہر ہے کہ جو توقعات ایک فطری درخت سے پوری ہوتی ہیں وہ اس قسم کے مصنوعی درختوں سے تو کبھی پوری نہیں ہو سکتیں۔

شیخ علی متقی جون پوریؒ
(صاحب کنز العمال)

(آخری قسط)

عبد الرشید عراقی

تصنیفات:

شیخ علی متقی کا بیشتر وقت درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں گزرا۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں

"ان کی تصنیفات دیکھ کر عقل حیران اور ششدر رہ جاتی ہے، اور اس بات پر یقین محکم ہو جاتا ہے کہ یہ سب کچھ اللہ کی خاص برکت اور توفیق کے بغیر نہیں ہو سکتا تھا۔ ان کی بعض کتابیں سالکانِ طریقت، اور طالبانِ آخرت کے لیے بیش قیمت سرمایہ اور ان کے حال کے لیے معین و مددگار ہیں ٢٢۔

شیخ علی متقی، صاحب تصانیف کثیرہ تھے اور ان کی تعداد سو سے متجاوز بتائی جاتی ہے۔ مگر ان میں اکثر ناپید اور معدوم ہیں۔ جن کتابوں کے نام معلوم ہو سکے ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

١۔ البرہان فی علامات المہدی آخر الزمان

علامہ جلال الدین سیوطیؒ (م ٩١١ھ / ١٥٠٥ء) نے العرف الوردی فی اخبار المہدی کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ علامہ سیوطیؒ نے یہ کتاب امام ابو نعیم اصفہانیؒ ٤٣٠ھ / ١٠٣٨ء کی کتاب الاربعین کی تلخیص کی تھی۔ شیخ علی متقیؒ نے علامہ سیوطی کی کتاب کی تلخیص اور اس کی از سر نو تہذیب و تدوین کی اور اس کے ساتھ اس میں کچھ اضافہ بھی کیا ہے ٢٣۔

٢۔ تبیین الطرق الی اللہ تعالیٰ

یہ شیخ علی متقی کی سب سے پہلی تصنیف ہے۔ ٢٤۔

۳۔ جوامع الکلم فی المواعظ والحکم

یہ سلف صالحین کے پندو نصائح اور مواعظ و حکم پر ایک مفید اور عمدہ رسالہ ہے۔ ۲۵۔

۴۔ غایۃ الکمال فی بیان افضل الاعمال

یہ شیخ علی متقی کی سب سے آخری تصنیف ہے۔

۵۔ مجموعہ حکم کبیر

یہ تصوف پر بڑی اہم اور معرکہ آرا کتاب ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

یہ بڑی مفید اور نافع کتاب ہے۔ جس میں تصوف کے بارے میں اس فن کی کتابوں میں جس قدر مواد و مسائل موجود تھے' ان کا خلاصہ تحریر کیا گیا ہے۔ خود شیخ اپنے دوستوں سے فرماتے تھے کہ تصوف کا جو مشکل مسئلہ بھی تمہارے سامنے آئے اس کا اس میں جواب تلاش کرو' اور تم لوگوں سے جو مشکل مسائل دریافت کیے جائیں ان کا جواب بھی اس میں دیکھ لو۔ اس سے کتاب کی اہمیت و افادیت اور جامعیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ ۲۶۔

۶۔ مختصر النہایہ فی اللغتہ

علامہ ابو السعادات مجدد الدین مبارک بن محمد اثیر جزریؒ (م ۶۰۶ / ۱۲۰۹ء) نے النہایتہ فی غریب الحدیث والاثر کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ جو غریب الحدیث میں بڑی مشہور اور عمدہ کتاب ہے۔ اس میں صرف صحاح کی حدیثوں ہی کے مشکل الفاظ کی تشریح نہیں کی گئی ہے بلکہ سنن' جوامع' مسانید اور مصنفات حدیثوں کے غریب الفاظ کی بھی تشریح کی گئی ہے۔ اصحاب علم نے ان کے مختصرات تحریر کیے ہیں۔ جن میں علامہ محمود بن ابو بکر ارمویؒ (م ۷۲۲ھ / ۱۳۲۲ء) علامہ جلال الدین سیوطیؒ (م ۹۱۱ھ / ۱۵۰۵ء) علامہ عیسٰی بن محمد صفوی (م ۹۵۳ھ / ۱۵۴۶ء اور شیخ علی متقی جون پوریؒ (م ۹۷۵ھ / ۱۵۶۷ء) شامل ہیں ۲۷۔

۷۔ الوسیلتہ القاخرہ فی سلطنتہ الدنیا ولاخرہ

اس رسالے میں سلاطین اور والیانِ ریاست کے لیے نصائح اور آداب مملکت بہت خوبی سے تحریر کیے گئے ہیں ۲۸۔

۸۔ البرہان الجلی فی معرفتہ الولی (فارسی)

۹۔ النہج الاتم فی ترتیب الحکم

۱۰۔ رسالہ فی ابطال دعویٰ السیّد محمد بن یوسف الجونپوری

اس رسالہ میں محمد بن یوسف جون پوری کے دعویٰ مہدویت کی تردید ہے۔ ۲۹۔
ان کے علاوہ شیخ علی متقی کی مندرجہ ذیل کتابوں کا ذکر بھی علمائے کرام اور تذکرہ نویسوں نے کیا ہے۔

۱۱۔ الفصول شرح جامع الاصول (حدیث)
۱۲۔ شمائل النبیؐ (حدیث) ۳۰۔
۱۳۔ شؤون المنزلات (تفسیر)
۱۴۔ العنوان فی سلوک النسواں (تصوف)
۱۵۔ المواہب العلیہ فی الجمع بین الحکم القرآنیہ والحدیثیہ (تصوف)
۱۶۔ تبویب الحکم العطائیہ
۱۷۔ زاد الطالبین (تصوف)
۱۸۔ اسرار العارفین
۱۹۔ فتح الجواد۔ (تصوف)
۲۰۔ نعم معیار القیاس بہ معرفتہ مراتب الناس (تصوف)
۲۱۔ نظم الدرر (تصوف)
۲۲۔ ہدایتہ ربی عند فقد المربی (تصوف)
۲۳۔ خلاصہ الحقائق فی الحکم الدقائق (تصوف)
۲۴۔ عمدة الوسائل ۳۱۔

۲۵۔ کنز العمال

کنز العمال شیخ علی متقی جون پوری کی مشہورد معروف تصنیف ہے۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں:
شیخ علی متقی نے ۹۵۷ھ سے ۹۷۱ھ تک حدیث شریف کی وہ دائرة المعارف ترتیب دی، جو کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال کے نام سے مشہور ہے۔ ۳۲۔
علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے احادیث نبوی کے استیعاب کی غرض سے جمع الجوامع کے نام

سے ایک ضخیم مجموعہ مرتب کیا تھا۔ جو صحاحِ ستّہ اور مسانیدِ عشرہ پر مشتمل ہے۔ اور یہی مجموعہ جامع کبیر کے نام سے مشہور اور معروف ہے۔

شیخ علی متقی جون پوری کی عظیم الشان کتاب کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال علامہ سیوطی کی جمع الجوامع (جامع کبیر) کی ترتیب و تنقیح سے ماخوذ ہے۔ شیخ علی متقی فرماتے ہیں کہ:

"میں نے متعدد ائمہ فن کی کتابیں دیکھیں۔ لیکن ان میں سے کسی کتاب کو بھی سیوطی کی جمع الجوامع سے بہتر اور جامع نہیں پایا۔ انہوں نے صحاح ستہ اور دوسری کتابوں کی حدیثیں بہت عمدہ طریقہ پر جمع کی ہیں"۔

شیخ علی متقی نے کنز العمال کو علامہ بن اثیر جزریؒ (م ۶۰۶ھ / ۱۲۰۹ء) کی جامع الاصول فی احادیث رسولؐ کے انداز پر فقہی ابواب پر مرتب کیا ہے۔ کہ یہ احادیث نبوی کا دائرۃ المعارف بن گئی ہے۔ ان کی ترتیب و تنقیح کی وجہ سے علامہ سیوطی کی جمع الجوامع کے مقابلہ میں اس کا فایدہ دو چند ہو گیا ہے۔ اور اس سے استفادہ بھی آسان ہو گیا ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے شیخ ابو الحسن بکری کا یہ قول نقل کیا ہے۔

للسیوطی منتہ علی العالمین وللمتقی منتہ علیہ ۳۳۔

سیوطی نے (جامع کبیر مرتب کر کے) دنیا والوں پر احسان کیا تھا۔ اور شیخ علی متقی نے کنز العمال ترتیب دے کر خود سیوطی پر ایک احسان کیا۔

اور خود شیخ عبدالحق دہلوی فرماتے ہیں کہ:

کتاب دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ نے اتنا عظیم الشان کام کیسے حیرت انگیز طریقہ پر انجام دیا ہے۔ ۳۴۔

شیخ علی متقی نے کنز العمال کی ترتیب و تبویب میں بڑی دیانت داری سے کام لیا ہے۔ اور اس میں کسی قسم کی کمی بیشی نہیں کی۔ یہاں تک کہ سیوطی کے خطبہ اور دیباچہ کو بعینہ برقرار و باقی رکھا ہے۔ ۳۵۔

شیخ علی متقی نے ۹۵۷ھ میں کنز العمال مرتب کرنا شروع کی اور ۹۷۱ھ میں فارغ ہوئے۔

کنز العمال ۱۳۱۳ھ / ۱۸۹۵ء تا ۱۳۱۵ھ / ۱۸۹۸ء دائرۃ المعارف انتظامیہ حیدر آباد دکن نے ۸ جلدوں میں شائع کی۔ اس کی تصحیح و تبویب مشہور اہل حدیث عالم صحاح ستہ کے مترجم مولانا نواب وحید الزمان خان حیدر آبادیؒ (م ۱۳۳۸ھ / ۱۹۲۰ء) نے کی۔

مولانا عبدالحلیم چشتیؒ لکھتے ہیں،

"ہندوستان کے نامور محدث شیخ علاؤ الدین علی المتقیؒ (م ۹۷۵ھ) کی مشہور تالیف کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال' کو جب ۱۳۱۰ھ میں دائرۃ المعارف النظامیہ حیدر آباد دکن نے طبع کرانا چاہا تو اس کتاب کی تصحیح کے لیے ارباب حل و عقد کی نظر انتخاب جس پر پڑی وہ مولانا وحیدالزمان کی ذات تھی۔ چنانچہ یہ اہم کام موصوف ہی کے سپرد کیا گیا جس کا اظہار ہر جلد کے خاتمہ پر ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔

قد اعتنی تبصحیح هذا الکتاب زبدۃ العلماء راس الفضلاء قدوۃ المحققین زبدۃ المحدثین المولوی وحید الزمان الملقب بنواب وقار نواز جنگ بہادر لا زالت شموس افادتہ طالعتہ۔

باوجودیکہ یہ نسخہ نہایت غلط تھا لیکن موصوف نے بڑی دیدہ ریزی سے اس کی تصحیح کی۔ اس نسخہ کی اغلاط کا اندازہ مولانا وحید الزمان کی اس تحریر سے ہو سکتا ہے جو فہرست کتاب کے آخر میں درج ہے۔ وھو ھذا

حیث ان نسخ المنقول عنها کانت مملوۃ من الاغلاط لذ صرفنا الجهد فی التصحیح والمقابلتہ ولا یکلف اللہ نفسا الا وسعها فان وجد الخطاء والزلل فیما هذا هذہ المواضع فالمرجوا لاصلاح ولا یلام الرجل من اهل الخیر علی ما فعل من الخیر هذا والسلام العبد وحید الزمان عفا عنہ المنان۔

مولانا وحید الزمان نے بڑی جانفشانی اور ژرف نگاہی سے اس اہم کام کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ ابتدائی جلدوں کی تصحیح کا تمام تر کام خود کیا۔ بعد میں بعض اور اہل علم نے بھی اس کام میں حصہ لیا۔ مگر موصوف اپنی وسعت نظر اور ژرف نگاہی کے باعث اس امر میں سب سے ممتاز رہے۔ اس حقیقت کا اعتراف تمام شرکائے کار کو تھا۔ چنانچہ جلد ہشتم کے خاتمہ پر ابو الحسن (مولانا سید ابوالحسن علی ندوی) نے جو تبصرہ لکھا ہے اس میں موصوف کی ان عظیم الشان خدمات کو بایں الفاظ سراہا ہے۔

طبع هذا الکتاب بتصحیح جماعتہ من العلماء اولی التحقیق والاتقان والنظر ولا معان اجلهم وافضلهم علامتہ المعقول فارس میدان الفروع والاصول المولوی محمد وحید الزمان الملقب بنواب وقار نواز جنگ بہادر دام فیوضہ۔۳۶

کنز العمال دوبارہ دائرۃ المعارف النظامیہ نے چھوٹی تقطیع سے شائع کی ہے۔

فن حدیث پر شیخ علی متقی کی دوسری تصنیفات

شیخ علی متقی نے فن حدیث پر درج ذیل کتابیں لکھی ہیں:

۲۶۔ منتخب کنز العمال

۲۷۔ منہج العمال فی سنن الاقوال

۲۸۔ الاکمال

۲۹۔ غایۃ العمال فی سنن الاقوال

۳۰۔ مستدرک الاقوال بہ سنن الافعال

کنز العمال ان سب کتابوں (۲۶ تا ۳۰) کا مجموعہ ہے۔ جیسا کہ شیخ علی متقی فرماتے ہیں:

پھر میں نے اپنی دونوں کتابوں غایۃ العمال فی سنن الاقوال (۲۹) اور مستدرک الاقوال بسنن الافعال (۳۰) کو ایک مجموعہ میں اکٹھا کر دیا۔ مثلاً کتاب الایمان کو پہلے غایۃ العمال کھا' پھر اسے مستدرک الاقوال سے لکھا۔ اور یہی روش کتاب کے آخر تک قائم اور باقی رکھی ہے' اور اس نئے مجموعہ کا نام میں نے کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال رکھا ہے۔ ۳۷۔

منتخب کنز العمال

شیخ علی متقی نے کنز العمال فی سنن الاق ل والافعال کی تلخیص' کی جس کا نام انھوں نے منتخب کنز العمال رکھا' یہ حدیث کا عمدہ مجموعہ ہے۔ اس میں زواید اور مکررات کو حذف کر دیا گیا ہے۔۳۸۔

منہج العمال فی سنن الاقوال

علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے جامع کبیر کی طرح جامع صغیر مرتب کی۔ شیخ علی متقی نے منہج العمال فی سنن الاقوال میں جامع صغیر اور اس کے زواید کو ابواب و فصول پر مرتب کیا ہے۔ اور اس کتاب کو بھی شیخ علی متقی نے ابن اثیر جزری کی جامع الاصول کے اسلوب کے مطابق مرتب کیا ہے۔ ۳۹۔

الاکمال

اس میں جمع الجوامع (جامع کبیر) کی قولی احادیث کی تبویب کی ہے۔ ۴۰۔

غایۃ العمال فی سنن الاقوال:

یہ منہج العمال فی سنن الاقوال اور الاکمال کا مجموعہ ہے۔ ۴۱۔

مستدرک الاقوال بسنن الافعال:

اس میں جامع کبیر کی فعلی حدیثوں (قسم الافعال) کو جمع کیا گیا ہے۔ ۴۲۔

حواشی و تعلیقات

۲۲۔ اخبار الاخیار ص ۲۳۲'
۲۳۔ معارف دسمبر ۱۹۴۳ء ص ۴۲۸
۲۴۔ اخبار الاخیار ص ۲۳۲
۲۵۔ فہرست کتب عربیہ کتب خانہ رام پور ج ۲ ص ۱۳۹
۲۶۔ اخبار الاخیار ص ۲۳۲
۲۷۔ کشف الظنون ج ۲ ص ۶۲۱
۲۸۔ فہرست کتب عربیہ کتب خانہ رام پور ج ۲ ص ۳۷۷
۲۹۔ کتاب نمبر ۸ '۹ '۱۰ ان کا تذکرہ مولانا سید عبدالحی الحسنیؒ (م ۱۳۴۱ھ / ۱۹۲۳ء نے نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۲۴۴ میں کیا ہے۔
۳۰۔ نمبر ۱۱' ۱۲' برہان دہلی' فروری ۱۹۵۴ء ص ۸۴
۳۱۔ تذکرۃ المحدثین ج ۳ ص ۱۱۸۔ ۱۱۹
۳۲۔ مقالات سلیمان ج ۲ ص ۱۷
۳۳۔ اخبار الاخیار ص ۲۴۲'
۳۴۔ ایضاً ص ۲۴۲'
۳۵۔ کشف الظنون ج ۲ ص ۶۲۱'
۳۶۔ حیات وحید الزمان ص ۱۶۴' ۲۹۵'
۳۷۔ منتخب کنز العمال بر حاشیہ مسند احمد ج ۱ ص ۵
۳۸۔ اخبار الاخیار ص ۲۴۲'
۳۹۔ اتحاف النبلاء ص ۱۹۴
۴۰۔ منتخب کنز العمال بر حاشیہ مسند احمد ج ۱ ص ۴
۴۱۔ کشف الظنون ج ۱ ص ۳۹۹ '
۴۲۔ ایضاً ج ۱ ص ۳۹۹

الجزائر ــــــ فرانسیسی تسلّط کی جھلکیاں

مرزا محمد الیاس

الجزائر کی تاریخ، کشمکش اور جدوجہد سے عبارت ہے۔ استعمار کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ وہ اپنے خلاف ردِ عمل کو کسی نظریے سے وابستگی کا اظہار نہ کرنے دے اور نو آبادیاتی استعمار اس کی بدترین نمائندگی کرتا ہے۔ یورپی اقوام نے جب کمزور ممالک اور ریاستوں کو اپنا باج گزار اور نو آبادیات بنانا شروع کیا تو ان کے طریقہ کار اور نو آبادیات میں پالیسیوں نے واضح کیا کہ یہ نو آبادیاتی استعمار ایک ہی طرز عمل پر گامزن رہا جس کے ذریعے اس نے' قطع نظر اپنی قومی شناخت کے' ظلم و جبر کے وہی طریقے اختیار کیے جو کسی دوسرے استعمار نے کیے تھے۔ برطانیہ' فرانس' اٹلی' پرتگال غرض کوئی بھی استعماری قوت ہو اس نے اپنے توسیع پسندانہ عزائم کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہمیشہ اس تہذیب اور ثقافت کو ہی سمجھا جو ان کے زیرِ تسلّط آنے والی سرزمین کی پہچان تھی۔ اسلام ان کا بالخصوص نشانہ رہا اس لیے کہ وہ اچھی طرح سمجھتے تھے کہ اسلام ہی ایک ایسی نظریاتی قوت ہے جو ماحول کو آزادی اور حریت کی نئی نئی راہیں کھولنے پر مجبور کر سکتی ہے۔ جب فرانس نے سینیگال کو نو آبادی بنایا تو اس کے پالیسی سازوں کی سوچی سمجھی رائے' اس اقتباس سے معلوم کی جا سکتی ہے جو اسلام سے درپیش خطرات کے پس منظر میں مستقبل کی منصوبہ بندی کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے۔ کرسٹوفر ہیریسن کا کہنا ہے:

> "سینٹ لوئیس کے دور کے فرانسیسیوں کو اس حقیقت کا مکمل ادراک تھا کہ مسلمان آبادی کی موجودہ شرح رفتار برقرار رہی تو وہ بہت جلد عیسائیوں کو تعداد میں مات دے دیں گے۔ فرانسیسی آبادی میں یہ رائے بہت پختہ ہو چکی تھی کہ مسلم آبادی ۱۸۵۵ء میں' عمر نے انہیں جو دعوت دی تھی' اس پر لبیک کہے گی اور فرانسیسی اقتدار کو مسترد کر دے گی۔ چنانچہ فرانسیسی اس جانب سنجیدگی سے

غور کر رہے تھے کہ وہ کونسی پالیسی اختیار کریں جس کے ذریعے سینٹ لوئیس مسلمانوں سے محفوظ رہ سکے۔ بالآخر طے ہوا کہ تعلیمی پالیسی کو سارے منصوبے کا محور بنایا جائے گا۔ فرانسیسیوں میں بہت سے ایسے افراد بھی تھے جو یہ سمجھتے تھے کہ مسلمانوں کو کوئی رعایت نہ دی جائے جب کہ دیگر افراد کا خیال تھا کہ فرانسیسی تعلیم بہت جلد ان مسلمانوں کو یورپی طرز زندگی کی طرف لے آئے گی ایسے "یورپی مسلمان"' آگے چل کر فرانسیسی اقتدار کا سہارا بنیں گے"۔۱۳

استعمار کا کردار مستقبل پر گہرے اثرات کا سبب بنا اور فی الواقع جن مسلمانوں نے یورپی تعلیم کے اثرات بغیر حیل و حجت کے قبول کر لیے ایک طرف وہ اپنی پہچان سے محروم ہو گئے تو دوسری طرف انہیں یورپی اور مغربی اقدار کے لیے بھی غیر موزوں قرار دے دیا گیا لیکن ان میں پیدا شدہ نظریات کو بے مقصدیت کی سان نے اس قدر کاٹ دار بنا دیا کہ وہ ان کے اسلامی نظام کی جڑیں تو بخوبی کاٹتے تھے لیکن مغرب کے خلاف ڈھال بن کے سامنے آتے۔ یہ ایک طرفہ تماشا تھا اور ہے' جو اقوام مشرق میں جاری ہے۔

الجزائر نے تقریباً" ۱۳۲ سال تک فرانسیسی استبداد میں غلامی کے دن گزارے۔ ۱۸۲۷ء میں ایک معمولی واقعے سے شروع ہونے والا یہ طویل عہد اس حقیقت کی کھلم کھلا غمازی کرتا ہے کہ غلامی صرف مادی طور پر کمزور قوموں کے حصہ ہی میں نہیں آتی بلکہ ان قوموں کے حصے میں زیادہ آتی ہے جو نظریاتی کمزوریوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔

"الجزائر پر فرانس کا قبضہ ہر اعتبار سے تباہ کن ثابت ہوا۔ ایک طرف تو اس کے سماج کو تباہ و برباد کر دیا گیا دوسری طرف اس کی سرزمین کا اندرونی و بیرونی جغرافیہ بھی اپنی معنویت کھو بیٹھا۔ اس کے قبائلی حصوں کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا گیا اور انہیں دوبارہ نو آبادیاتی بیورو کریسی کی مرضی کے مطابق تشکیل دیا گیا۔ لیکن یہ بات حیران کن تھی کہ اس قدر تباہ کن عمل کے باوجود الجزائر کی قومی شناخت ختم کرنا ایک مسئلہ رہا۔ اسے وہ قومی شناخت نہ دی جا سکی جس کی خاطر جدوجہد ہوتی رہی۔ فرانس کی یہ کوشش رہی کہ ساتویں اور گیارھویں صدی اور پھر تین سو سال بعد ترک اقتدار کے زیرِ اثر پروان چڑھنے والے دینی و لسانی اور علاقائی و انتظامی معاملات کا کنٹرول اپنے ہاتھ میں لیا جائے اور الجزائر کو ان عوامل کے علی الرغم کوئی قومی شناخت دی جائے ——— بہ الفاظِ دیگر ان میں

اس اعتبار سے ایک سوچ پیدا کی جائے کہ وہ الجزائری قوم ہیں۔" ۲۔

الجزائر پر فرانس کے اقتدار کی کہانی ۱۸۲۷ء کے جس واقعے سے شروع ہوئی وہ گیہوں کی خریداری کا ایک سودا تھا۔ فرانس نے گیہوں خرید کر اس کے ستر لاکھ فرانک ادا نہ کیے۔ الجزائر کے حکمران' حسین نے اپنے دربار میں فرانس کے قونصل سے اس کا تقاضا کیا۔ اس دوران حسین کے کردار کو فرانس کی توہین پر محمول کیا گیا اور چارلس دھم نے حسین کو ایک الٹی میٹم بھیجا جس میں کہا گیا تھا کہ

"عزت مآب (چارلس دھم) تمہارے اس خوفناک اور گستاخانہ طرز عمل سے بہت سخت غصے میں ہیں' تم نے ان کے خلاف اور فرانس کے خلاف جو طرز عمل اختیار کیا ہے۔ اس کے ازالے کے لیے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ عوام میں اس طرز عمل سے رجوع کرنے کا اعلان کیا جائے' الجزائر کے دارالحکومت اور خود تمہارے محل پر فرانس کا پرچم لہرایا جائے اور اسے ایک سو توپوں کی سلامی دی جائے"۔ ۳۔

ظاہر ہے کہ یہ ناروا تحکمانہ انداز' کسی غیرت مند حکمران کو کیونکر قبول ہو سکتا تھا۔ حسین کے انکار پر الجزائر کی تین سال تک سرحدی ناکہ بندی کی گئی اور بالآخر ۱۴ جون ۱۸۳۰ء کو ۳۷٬۰۰۰ فوجیوں نے الجزائر کے دارالحکومت سے تقریباً" ۲۱ کلو میٹر دور پڑاؤ کیا اور جولائی کی پانچ تاریخ کو دارالحکومت میں داخل ہو گئے۔ فرانس نے یورپ سے کہا کہ وہ الجزائر کے ساحلی علاقوں سے بحری قزاقوں کا صفایا کرنے کے لیے الجزائر میں داخل ہوا ہے جب کہ الجزائری عوام سے کہا گیا کہ تمہیں ترکوں سے نجات دلائی جائے گی۔ جب کہ حقیقت کچھ اور تھی' افریقہ کے اسلامی تشخص کا مکمل خاتمہ ہی وہ اصل مقصد تھا جو اس جارحیت کا سبب بنا۔ فرانسیسیوں کا موقف تھا:

"مذہب کی طرح انصاف نے بھی شمال مغربی افریقہ کے ساحلوں کا چہرہ بگاڑ دیا ہے۔ کذابوں کی جگہ صوفیوں نے لے لی ہے اور ان کی قیادت قاضیوں اور قائدین نے سنبھال لی ہے جب کہ پادریوں نے اپنے گرجا گھر چھوڑ دیے ہیں اور ان کے مقدس مقامات پر امام اور مفتی قابض ہو گئے ہیں"۔ ۴۔

چنانچہ فرانس نے "اماموں اور مفتیوں" سے الجزائر کو نجات دلانے کے لیے شمال مغربی افریقہ کے ساحل کا رخ کیا ورنہ بحری قزاقوں کے لیے اتنی بڑی فوجی مہم کی ضرورت نہ تھی نیز الجزائر کی اصلاح بھی مقصود نہ تھی۔ ابتدا میں فرانسیسی افواج دارالحکومت اور اس کے گردو نواح

تک محدود رہیں بعد ازاں اس محدود قبضے کو وسیع کرنے کا پروگرام بنا۔ اگر یہ بات مان لی جائے کہ بحری قزاقوں کا مقابلہ درپیش تھا تو پھر الجزائر کے اندرونی علاقوں کو بزور قوت مسخر کرنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ حقیقت یہی ہے کہ الجزائر کو اس کے دینی ورثے سے محروم کرنا اور یورپی سرحدوں کو اسلام سے محفوظ کرنا مقصود تھا۔ یورپ کے مفکرین اسلام کی اصل دعوت سے بے خبر نہ تھے وہ بخوبی جانتے تھے کہ اسلام ایک متحرک نظریے کا نام ہے جس میں جمود موت ہے۔

"ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام محض قدیم طرز پر ایمان لانے کا نام نہیں ہے بلکہ یہ تہذیبی پہچان کا ایک ذریعہ ہے۔ دین کا مطالعہ اس وسیع و عریض سماجی مطالعے (الجزائری سماج کا مطالعہ) میں کلید کی حیثیت رکھتا ہے جس سے تہذیب، سماج، سیاست اور اقتصادیات کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔" ۵۔

اس تہذیبی، سماجی، اقتصادی اور سیاسی قوت کے مستقبل سے صاف مترشح تھا کہ یہ مستقبل اس کی نشاۃ ثانیہ کا آئینہ دار ہو گا۔ شمالی افریقہ کے ساحلوں سے اس کے آغاز کا مطلب یہ ہو گا کہ آنے والے دنوں اور سالوں میں یورپ، تہذیبی اور سماجی طور پر ایسے چیلنج کا سامنا نہیں کر سکے گا جو اپنے اندر متبادل لیکن بہترین اور مکمل ضابطہ حیات رکھتا ہے۔ اس ضابطہ حیات کا مقابلہ آئندہ سالوں میں کرنے کے لیے ضروری سمجھا گیا کہ مسلمانوں کو سیاسی افراتفری کا شکار کر دیا جائے۔ یہ ایک ایسا اقدام تھا جو مستقل منصوبہ بندی سے عاری تھا۔ وقت نے ثابت کیا ہے کہ اسلام شمالی افریقہ کے ساحلوں کا چہرہ درست کرنے کے لیے آہستہ آہستہ ابھر رہا ہے اور الجزائر میں اسلامی قوتوں کی فتح نے اس کی راہ ہموار کر دی ہے۔

"یورپی مفکرین کی متفقہ رائے ہے کہ الجزائر پر فرانسیسی قبضے کے آغاز کے ساتھ ہی وہاں کے مسلمانوں کو اس حقیقت کا ادراک ہو گیا تھا کہ اب واحد قوت ان کا دین و ایمان ہی ہے جو انہیں سربلند کر سکتا ہے۔ "اسلام نے فرانسیسی قبضے کے خلاف ایک ایسی زبان کا کردار ادا کیا جو اس قبضے کو استبداد قرار دیتی رہی۔ مسلمانوں کو اپنی شناخت پر مجبور کرتی رہی اور نو آبادکاروں کے اس مشن سے آگاہ کرتی رہی جو الجزائری مسلمانوں کو نئی تہذیب سے آگاہ کرنے کے لیے شروع کیا گیا تھا۔ یہ مشن اسلامی اقدار اور عبادات کو خلط ملط کرنے کا مشن تھا اور اس کا دائرہ عمل انفرادی زندگی سے لے کر اجتماعی زندگی تک پھیلا ہوا تھا۔ تاہم اس ناقابل تردید حقیقت سے کون انکار کرے گا کہ اسلام ایک گہرے اور انمٹ،

اجتماعی اور سماجی تشخص کی حیثیت سے ہمیشہ ہی موجود رہا۔ فرانسیسی نو آبادکاروں کی منتشر فطرت کی وجہ سے مسلمانوں میں جارحانہ ردِ عمل عود کر آیا اور وہ الجزائر کی قومی شناخت کو اسلام کے حوالے سے دیکھنے پر مجبور کر دیے گئے۔ اسلام سے ان کا گہرا رشتہ نہ توڑا جا سکا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اسلام الجزائری قوم پرستی کا ایک ناقابل تردید حصہ بن گیا۔"۶۔

فرانس کی جارحیت کے خلاف مسلمانوں کی جدوجہد نے مزاحمت کی ایک ایسی تاریخ رقم کی ہے جس کی مثال صرف اسلام کے پیروکاروں کی تحاریک جدوجہد میں تلاش کی جا سکتی ہے۔ فرانس نے جس قدر آسانی کے ساتھ الجزائر میں مداخلت کی تھی اسے الجزائر کے اندر نفوذ کرنے میں اس سے کہیں زیادہ غیر متوقع مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔

"فرانس کو اندرونی علاقوں میں اپنے قبضے کو مضبوط کرنے کے لیے مقامی آبادی کی شدید اور مستقل مزاحمت کا سامنا رہا۔ اس مزاحمت کو کچلنے میں بیس سال لگ گئے تاہم قبائل کی طرف سے مزاحمت ۱۸۷۱ء تک جاری رہی۔ اولین مزاحمتی لیڈروں میں عبدالقادر الجزائری کا نام بہت اہمیت رکھتا ہے اس نے لوگوں کے اندر اسلام کے حوالے سے ایک ایسی روح پھونک دی تھی کہ وہ یکدم فرانسیسی فوجوں کے خلاف متحد ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے"۷۔

عبدالقادر کو الجزائر کے اندر ایک خود مختار ریاست بنانے میں کامیابی حاصل ہو گئی۔ اس نے خلافت عثمانیہ کے نظام کی طرز پر ریاست کا انتظام چلایا۔ اس کی ریاست کو بہت سے یورپی مفکرین نے' ساخت اور طریقہ عمل کے اعتبار سے' ایک جدید ریاست سے تشبیہ دی ہے۔ عبدالقادر نے لوگوں کو اسلام سے وابستگی اور عیسائیوں سے علیحدگی کی راہ دکھائی تھی۔ ۱۸۳۷ء اور ۱۸۳۹ء کے دوران اس ریاست کو بہت عروج حاصل ہوا۔ ۲۰ مئی ۱۸۳۷ء کو تافنا کے مقام پر فران عبدالقادر کو گرفتار کر کے قید کر دیا۔ عبدالقادر کو دسمبر ۱۸۴۸ء میں گرفتار کر کے فرانس بھیج دیا اور وہ پچھتر سال کی عمر میں ۱۸۸۳ء میں انتقال کر گئے۔ عبدالقادر کی قیادت میں مزاحمت کو کچلنے کے لیے فرانس نے جنرل رابرٹ بوگاڈ کو مکمل اختیارات دیے تھے۔

"بہترین اسلحے اور زیادہ افرادی قوت کے ساتھ عبدالقادر کو مزاحمت کی بجائے دفاع پر مجبور کر دیا گیا تھا۔ اس کی زیر قیادت مختلف قبائل میں پھوٹ ڈال دی گئی۔ لڑائی کو طول پکڑتے دیکھ کر فرانسیسی' جنرل تھامس رابرٹ بوگاڈ کو لائے'

انھیں مزاحمت کو سختی سے کچل دینے کا حکم دیا گیا۔ جنرل بوگاڈ' الجزائر میں فرانس کے اقتدار کا مضبوط آغاز ثابت ہوا اور اس نے الجزائری قبائل کو کچل دیا' دیہات تباہ کر دیے جہاں مزاحمت کا شک بھی ہوتا وہ آبادیاں تہہ تیغ کر دی جاتیں' فصلیں جلا دی جاتیں' مویشی مار دیے جاتے۔ جو قبائل عبدالقادر کی حمایت ترک نہ کرتے انھیں اس قسم کے سلوک کا سامنا کرنا پڑتا"۔۸۔

فرانس نے الجزائر پر قبضے کو مزید مستحکم کرنے کے لیے وہاں کے سماجی اور معاشی ڈھانچے کو یکسر تبدیل کر دیا۔ وسیع پیمانے پر جائیدادیں خریدنے' سرکاری قبضے میں لینے' زمینیں ضبط کرنے اور تجارتی اسباب سے مقامی آبادی کو محروم کرنے کے اقدامات نے الجزائر کے مسلمانوں کو سماجی اور اقتصادی طور پر بدحال کر دیا۔ انیسویں صدی کے چوتھے عشرے میں فرانس' الجزائر کے پیداواری قطعات' فصل آور زمینوں اور ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ موجود علاقوں پر ہر طریقے سے قابض ہی نہیں تھا بلکہ خرید و فروخت کے عجیب گورکھ دھندے کی وجہ سے "مالک" بن بیٹھا تھا۔

قبائل کو منتشر کرنے کے لیے کنٹونمنٹ کے نظریے کو اختیار کیا گیا۔ اس نظریے کے تحت یہ قرار دیا گیا کہ جس قبیلے کو ضروریات پوری کرنے کے لیے جس قدر زمین کی ضرورت ہے وہی اس کے پاس رہ سکتی ہے بقیہ زمین حکومت کے قبضہ میں چلی جائے گی۔ اس امر کا فیصلہ بھی حکومت کرتی تھی کہ قبیلے کی حقیقی ضروریات کس قدر ہیں' خواہ یہ تعین معمول کی ضروریات کے انتہائی پست درجے کی شرائط کو بھی پورا نہ کرتا ہو۔ اسی نظریے کے تحت یہ قرار دیا گیا کہ جو علاقے فرانس کے اقتدار کی مزاحمت کریں گے انھیں حکومت کے قبضہ میں لے لیا جائے گا۔ زیر قبضہ آنے والی زمینیں اور قبائل فرانسیسیوں کی آباد کاری کے لیے استعمال کیے جانے لگے۔

۲۱ جولائی ۱۸۴۶ء کو ایک فرمان جاری کیا گیا جس میں الجزائر کی دیہی آبادی اور زمین کے بارے میں فرانس کی پالیسی بیان کی گئی تھی۔ اس فرمان میں کہا گیا کہ حکومت کا مقصد لوگوں کو آباد کرنا اور زمین کی زرخیزی میں اضافہ کرنا ہے۔ ڈاسن بورر (Dawson Borrer) کا کہنا ہے کہ اس فرمان کی اصل حقیقت تو یہ تھی کہ فرانس سے لوگوں کو وزیر جنگ کی نگرانی میں لاکر آباد کیا جاتا تھا۔ انھیں چھ سال تک الجزائر میں مختلف مراحل میں آباد کیا جاتا۔ جو افراد چھ سال گزار لیتے انھیں حکومت مختلف رعائتیں دیتی تھی' ۱۸۴۶ء سے ایسے شہری مراکز کی تعمیر کا آغاز کیا گیا جن میں فرانسیسیوں کو ہر طرح سے غلبہ حاصل تھا۔ ۱۸۴۷ء سے پہلے پہلے اس قسم کے ۳۲ مراکز

بنائے گئے تھے۔ ۱۸۴۸ء کے بعد تو آبادیاتی ضروریات پوری کرنے کے لیے آزادانہ طور پر نئی شہری آبادیاں، انتظامی مراکز اور فوجی چھاؤنیاں تعمیر کی جانے لگی تھیں۔

ان انتظامی اور شہری مراکز کی تیز رو تشکیل نے الجزائر کا وہ سماجی و علاقائی نظام بالکل ختم کر دیا تھا جو فرانس کے حملے سے پہلے موجود تھا۔ طاقت کے مراکز بدل گئے تھے۔ ثقافت اور تہذیب و تمدن کے مظاہر میں یکسر تبدیلی آگئی تھی مقامی لوگ پریشان حال اور پریشان خیال تھے۔ انہیں سمجھ نہیں آتی تھی کہ وہ کیونکر اپنے ثقافتی مراکز کا تحفظ کر پائیں۔ فرانسیسیوں نے اسلامی نظام حیات کا مطالعہ کر کے نتائج اخذ کیے اور ان نتائج کے ذریعے انہوں نے ایک سیکولر اور غیر اسلامی معاشرے کی تشکیل کا آغاز کیا۔ ان کے انداز حکومت اور الجزائر کی ثقافتی و دینی زندگی میں سنگین مداخلت سے پتہ چلتا ہے کہ ان کا اصل ہدف یہی تھا کہ الجزائر کو فرانس کا باقاعدہ حصہ بنا لیا جائے۔ جے آر موریل فرانسیسی قبضہ سے قبل الجزائر کے بارے میں تبصرہ کرتے ہوئے کہتا ہے:

> "(الجزائر میں) ترک باشندوں کے لیے الگ قاضی تھا اور بربر باشندوں کے لیے الگ۔ ان قاضیوں نے دیہات میں الگ الگ منصف مقرر کر رکھے تھے۔ جائیداد سے متعلق تمام مقدمات انہی کی عدالتوں میں آتے تھے۔ قاضی، انصاف کے نام پر تجارت کرتے تھے۔ انہوں نے امیروں کے لیے الگ قانون بنا رکھا تھا اور غریبوں کے لیے الگ۔ یہ وہی صورت حال تھی جو انگلینڈ میں پائی جاتی ہے۔"۹
>
> "جرائم کی تحقیقات کے لیے الجزائر میں دو اہم خوبیاں پائی جاتی تھیں۔ یہ طریق کار ہر اعتبار سے مکمل اور بہترین تھا۔ قتل کی سزا موت تھی۔ ڈاکوؤں کو منہ کالا کر کے گدھوں پر سوار کر کے سربازار پھرایا جاتا اور پھر ان کا ایک ایک ہاتھ کاٹ دیا جاتا۔ عیسائیوں اور یہودیوں کے ساتھ اختلاط پر مسلمان عورتوں کو سزائے موت دی جاتی تھی۔ اگر کسی مسلمان جوڑے کو اس جرم میں پکڑا جاتا تو اسے کوڑے مارے جاتے۔ مجرم عورتوں کو گدھے پر بٹھا کر شہر میں پھرایا جاتا پھر ایک بوری میں بند کر کے دریا میں پھینک دیتے یا اسے دلال کی نذر کر دیتے۔ سازشیوں کو بھی معاف نہیں کرتے تھے اگر عیسائی، سازش یا جاسوسی کرتا تو اس کی جائیداد ضبط کر لیتے، بربر کرتا تو اسے میخیں ٹھونک کر ہلاک کر دیتے اور

یہودی کو زندہ جلا دیتے تھے"۔

جے آر موریل کے اس نقطہ نظر سے ظاہر ہوتا ہے کہ فرانسیسیوں نے اسلامی تعلیمات اور اسلامی تعزیرات کو ایک مکمل منصوبے کے تحت مسخ کر کے پیش کرنے کی پالیسی اختیار کی تھی۔ اسلام کے بارے میں تعصب کا اظہار کرتے ہوئے موریل اپنے روایتی کردار کو فراموش نہیں کر سکا اور اس نے اس تعصب کو بھی بیان کر دیا کہ یہ سارا نظام بالکل ویسا ہی تھا جیسا کہ انگلینڈ میں رائج ہے۔

۹ اور ۱۰ دسمبر ۱۸۴۸ء کو فرانس نے ایک اور حکم جاری کیا جس کے تحت الجزائر کو تین صوبوں میں منقسم کر دیا گیا تھا ہر صوبے کو تین انتظامی شعبوں اور تین فوجی علاقوں میں بدل دیا گیا۔ گورنر جنرل نو آبادیاتی حکومت کا انتظامی سربراہ ہونے کے علاوہ مسلح افواج کا سپریم کمانڈر قرار دے دیا گیا۔ اس کی معاونت ایک سیکرٹری جنرل کرتا تھا جب کہ فوج کے متعدد جنرل، عسکری معاملات میں اس کا ہاتھ بٹاتے تھے۔ ان جنرلوں کو مختلف علاقوں میں فوجی یونٹوں کی کمان دی گئی تھی۔

انتظامی شعبوں کے لیے صوبیداروں کی کونسل تشکیل دی گئی تھی، اسے (Council of Prefects) کہتے تھے۔ شہری آبادیوں کے لیے میئرز، ہر شہر میں متعدد سول کمشنر اور صوبیداروں کی معاونت کے لیے نائب صوبیدار Sub-Prefects مقرر کیے گئے تھے۔ ان صوبیداروں کا وزراء اور گورنر جنرل کے ساتھ براہ راست تعلق ہوتا تھا اور وہ انہی سے احکامات وصول کرتے، جن پر سول کمشنرز اور میئرز عمل درآمد کراتے تھے۔ اہم شہروں میں مشاورتی کمشن قائم کیے گئے تھے۔ آفیسران کمان، جج کے فرائض بھی انجام دیتا۔ آفیسران کمان کی معاونت پولیس آفیسرز اور مجسٹریٹ کرتے تھے۔ مستقل طور پر آباد الجزائری باشندوں کے معاملات کی ذمہ داری مجسٹریٹ پر ہوتی تھی جب کہ ہروقت نقل مکانی کرنے والے شہری اور دیہاتی، فوجی قانون کے زمرے میں آتے تھے۔

"۱۸۴۸ء میں الجزائر کو مختلف پنچایتوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ ہر پنچایت میں ایک میونسپل کونسل کا "بذریعہ انتخاب" تقرر کیا جاتا تھا۔ ووٹ کا حق فرانسیسی شہریوں کے علاوہ صرف ان لوگوں کو حاصل تھا جو الجزائر کے مقامی باشندے نہیں تھے۔ مقامی باشندوں میں سے صرف وہ لوگ ووٹ ڈال سکتے تھے جو حکومت کے مراعات یافتہ لوگوں کی فہرست میں شامل تھے اور ان کی عمر اکیس سال سے زیادہ

تھی۔ کونسل کے تمام ارکان عموماً فرانسیسی ہوتے تھے لیکن اجنبیوں اور مقامی باشندوں کو بعض پابندیوں کے ساتھ رکن بنایا جاتا تھا۔ بادشاہ کے انتخاب کے لیے بیلٹ کا استعمال کیا جاتا تھا۔ دارالحکومت میں کونسل کے ارکان کی تعداد ۲۴ تھی جب کہ مختلف جگہوں پر یہ تعداد ۹ سے لے کر ۱۵ تک رہی۔ میئر کا تین سال کے لیے تقرر کیا جاتا تھا۔ گورنر جنرل کو یہ اختیار حاصل تھا کہ وہ میئر کے نام کا اعلان کرے۔ گورنر جنرل کونسل کو معطل کر سکتا تھا لیکن اسے توڑنے کا اختیار حاصل نہ تھا۔

۲۱ دسمبر ۱۸۴۸ء کو میئرز کے ناموں کے لیے نامزدگی کا اختیار صوبیداروں کو دے دیا گیا بعد ازاں فوجی علاقوں میں بھی صوبیدار ہی نامزدگی کرنے کے مجاز قرار دیے گئے۔

۳۱ دسمبر ۱۸۴۹ء میں الجزائر میں چھ کلیسائی حلقے تھے اور ان کی میونسپل کونسلیں بھی تھیں۔ شہروں میں بہت سی نئی جگہوں پر میئروں کا تقرر کیا گیا۔ شہری علاقوں میں سول کمشنروں کو مقرر کیا گیا، پانچ نئے سول کمشنریٹ قائم کیے گیے اور ۱۴ نومبر ۱۸۵۰ء کو اندرونی شہروں میں بھی ان کا تقرر عمل میں لایا گیا جہاں ابھی تک فوجی حکمران تھے۔"[۱۱]

بعد میں نپولین کی حکومت نے مزید انتظامی تبدیلیاں کیں۔ ان تمام نئی اور پرانی انتظامی تبدیلیوں سے الجزائر کا اصل نظام ختم ہو گیا اور اس کی جگہ فرانسیسی طرز حکومت نے لے لی۔ اب نو آباد کاروں کی گرفت مزید گہری اور مضبوط ہو گئی تھی۔ انھوں نے الجزائر کے مقامی باشندوں کو ایک نئے نظام کے حوالے کر دیا تھا جس میں انھیں کوئی ایسا فرد نہیں ملتا تھا جو ان کے مسائل کے بارے میں مخلص ہو اور ان کے حل کے لیے کام کرے۔ جو مقامی لوگ حکومت کے کل پرزوں کی طرح کام کر رہے تھے ان کے پیش نظر صرف اور صرف حکومت کی خوشنودی تھی اور وہ کسی قسم کے ایسے کام پر رضامند بھی نہ تھے جس کے ہونے سے فرانسیسی حکمرانوں کو ناراضگی کا شائبہ بھی پڑتا۔

نظامِ انصاف میں تبدیلیوں نے الجزائر کے مسلم سماج کا رخ سیکولر سماج کی طرف موڑنے کی ایک اور کوشش کی۔ ۱۸۴۸ء میں گورنر جنرل کو ہی انصاف کے جملہ امور میں دسترس حاصل تھی۔ اس سال ۳۰ مئی اور ۲۰ اگست کو ایک فرمان جاری کیا جس کے مطابق عدالتوں سے متعلقہ

امور وزیر انصاف کے سپرد کر دیے گئے۔ لیکن اب بھی وزیر انصاف صرف ان معاملات کے بارے میں کام کر سکتا تھا جن کا تعلق براہ راست یورپی باشندوں اور فرانس کے شہریوں سے تھا اور وہ شہروں میں رہتے تھے گویا مسلمانوں کے مقدمات کا فیصلہ تب بھی فوجی کمانڈر ہی کرتے تھے اور جہاں بھی انہیں مزاحمت کی بو آتی مسلمانوں کو کچل دیا جاتا۔ کوئی ایسا طریقہ موجود نہ تھا جس کی بنیاد پر یہ فیصلہ کیا جا سکتا کہ کون سا مسلمان باغی ہے اور کون سا نہیں۔ گویا یہ ایک کھلی بلیک میلنگ تھی۔ جو شہری، فوجی کمانڈر کی خوشامد اور منشا کا خیال نہ رکھ پاتے انہیں سزا و جزا کے ایک ایسے کربناک دور سے گزرنا پڑتا جو ان کی سماجی حیثیت کے خاتمے، معاشی بدحالی اور ذہنی بے سکونی کا سبب بنتا۔ علاوہ ازیں خصوصی ٹریبونل قائم کر کے عوام کے گرد حصار کو مزید تنگ کر دیا گیا تھا۔ ۱۸۴۸ء میں مسلمانوں کے لیے قائم ٹریبونل میں ایک تبدیلی کی گئی۔ ۲۹ جولائی کو ایک فرمان کے مطابق مجلس اور سپر ٹریبونل کی تشکیل میں قاضیوں کو شامل کیا گیا لیکن اس میں فرق یہ تھا کہ یہ قاضی دو طرح کے مسلمان طبقوں کی نمائندگی کرتے تھے ایک قاضی مالکی مسلک کا ہوتا تو دوسرا حنفی مسلک کے مطابق فیصلے کرتا تھا۔ قاضیوں کی عدالتیں بھی قائم تھیں لیکن انہیں صرف رقم کے لین دین، اجرت کے معاملات، نکاح و طلاق اور جائیداد کے فیصلوں کا اختیار تھا۔ قاضی شراب نوشی، روزہ توڑنے، شان رسالتؐ میں گستاخی کرنے اور دینی معاملات میں غیر اخلاقی طرز عمل پر سزا دے سکتے تھے۔

مسلمانوں کو تعلیم کے میدان میں بھی سخت نقصانات اٹھانا پڑے۔ آباد کار، مسلمانوں میں تعلیم کے پھیلاؤ کے خلاف تھے۔ اس لیے سکولوں میں اضافہ اور توسیع بہت محدود کر دی گئی تھی۔ یہ تعلیم بھی ان کی صلاحیتوں کے بے جا استعمال کا مظہر بن گئی تھی۔ والدین اسی وجہ سے اپنے بچوں کو پڑھانے سے ڈرتے تھے اور انہیں غیر مسلم سکولوں میں قطعاً نہیں داخل کراتے تھے۔ چنانچہ عام مسلمانوں کے لیے تعلیم، فرسودہ، مہنگی اور محدود ہو کر رہ گئی تھی۔

"انیسویں صدی کے آخر میں حکومت نے ایک منصوبہ تیار کیا جس کے مطابق مسلمان طلبہ کو ایسے سکولوں میں تعلیم دینے کا پروگرام تھا جہاں یورپین طلبہ کی اکثریت تھی اور فرانس کا سلیبس پڑھایا جاتا تھا۔ فرانسیسی جانتے تھے کہ وہ اس سلیبس سے تہذیبی فوائد حاصل کر سکتے ہیں۔ وہ فرانسیسی ثقافت، زبان، تاریخ اور سماج کو الجزائر کے مسلمانوں میں عام کرنا چاہتے تھے اور ایسے مسلمان دانشوروں کا طبقہ وجود میں لانا مقصود تھا جو فرانسیسی تہذیب کی نمائندگی کرتا ہو۔

اور اسے ملک میں دانشوروں کے طبقے کے مرکز و محور کی حیثیت حاصل ہو۔ لیکن اس منصوبے کا حیران کن پہلو یہ ہے کہ اس سے وہ دانش ور اور لیڈر ابھرے جنھوں نے آگے چل کر فرانس کے خلاف الجزائر کے عوام کی قیادت اور راہنمائی کا کام سرانجام دیا۔ فرانسیسی سلیبس میں عربی تعلیم پر مکمل پابندی تھی۔ یہ کہنا درست ہو گا کہ اس سارے نصاب کا بنیادی مقصد ہی یہ تھا کہ مسلمانوں اور عربوں کے درمیان گہرے رابطوں کو ختم کر دیا جائے۔" ۱۲۔

اس نظام تعلیم کا سب سے زیادہ نقصان دہ اور طویل المدت اثرات کا حامل عنصر یہ تھا کہ فرانسیسی الجزائر میں ایک ایسے طبقے کو پیدا کرنے میں مصروف رہے جو مسلم ثقافت، تاریخ زبان اور سماجیات کے خلاف کام کرے اور نو آباد کاروں کی خواہشات کے مطابق چلے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے فرانس نے طویل المعیاد منصوبہ بندی کی تھی قبائلی نظام کو اسی لیے ختم کیا گیا تھا کہ آئندہ چل کر فرانسیسی عزائم کے خلاف جدوجہد اور مزاحمت کے یہ مراکز رکاوٹیں پیدا نہ کریں۔ الجزائر میں عرب مسلمانوں اور دیگر قبائل میں سول سروس کے ارکان کی تیاری سے ان لوگوں کو بھی شکست دینا مقصود تھا جو الجزائر کی مقامی آبادی کے لیے ایک آزادانہ بیوروکریسی کا کام کر سکتے تھے۔ فرانسیسی نظام کے تحت تربیت پانے والے سول افسروں میں رابطہ عوام کی کمی تھی اور وہ خود کو عوامی سطح سے الگ تصور کرتے تھے۔ دوسری جنگ عظیم سے پہلے ہی اس نظام تعلیم کے اثرات نمایاں ہونے لگے تھے۔ فرانسیسیوں نے مقامی آبادی اور اپنے درمیان ایک ایسی دیوار کھڑی کر رکھی تھی جو ایک طرف تو ابلاغ کو ناممکن بناتی تھی اور دوسری طرف مقامی آبادی کی مشکلات کو نظرانداز کرتی رہتی تھی۔ اس دیوار کو تحفظ دینے والے وہ لوگ تھے جو نظام تعلیم کی برکات سے نہ تو الجزائری رہے تھے اور نہ ہی فرانسیسی۔

"ان حالات میں یہ کوئی حیران کن بات نہیں ہے کہ پہلی جنگ عظیم سے پچاس سال قبل فرانس کی نو آبادیاتی اور توسیع پسندانہ پالیسی اس نوعیت کی تھی جس نے الجزائر کے معاشرے کو طبقات میں منتشر کر رکھا تھا۔ ان طبقات کا دوبارہ متحد ہونا ناممکن ہو کر رہ گیا تھا مسلمان، محدود، محروم اور مجروح تھے۔ وہ نو آباد کاروں کی خاموش اطاعت پر مجبور کر دیے گئے تھے۔ آباد کار جدید ترین ٹیکنالوجی، بہترین انتظامیہ اور مضبوط فوج کے ساتھ خوشحالی کا ہر ایک قطرہ ان سے وصول کرتے رہے۔" ۔ ۱۳۔

فرانسیسی اقتدار میں عیسائیوں نے مسلمانوں پر اپنی یلغار کو ایک واضح مقصد کے تحت تیز تر کر دیا تھا ان کے سامنے وہ بیس کروڑ انسان تھے جو مشرق وسطیٰ میں آباد تھے اور ان تک رسائی کے لیے الجزائر ایک بہترین دروازہ تھا۔

"۱۸۶۰ء کے عشرے کے اواخر میں چرچ نے اسلام کے بارے میں نئی پالیسی ترتیب دی۔ اس سے قبل چرچ کی تمام تر توجہ یورپی لوگوں کو راہنمائی فراہم کرنے پر مرکوز تھی۔ لیکن کیوی گری کے آرچ بشپ بننے کے بعد پالیسی تبدیل کر دی گئی۔ ۱۸۶۷ء میں اس نے اعلان کر دیا کہ اب مسلمانوں کو عیسائی بنایا جائے گا۔ ۹-۱۸۶۸ء کے قحط میں اس نے سترہ سو مسلمان یتیم بچوں کو بپتسمہ دیا اور انہیں نو تعمیر شدہ عیسائی عرب گاؤں میں رکھا گیا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ وہ صرف ان روحوں کو پاکیزہ کرنا چاہتا ہے جو چوتھی صدی میں عیسائیت سے متعلق تھیں اور ان کا تعلق شمالی افریقہ سے تھا۔ سول اور فوجی انتظامیہ نے اس ڈر سے بشپ کو روکنے کی کوشش کی کہ وہ مسلمانوں کو ایونجلیکل عیسائی بنا رہا ہے لیکن اس نے روم سے دو ایسے فرمان حاصل کر لیے جن میں اسے مسلمانوں کو عیسائی بنانے کا اختیار دیا گیا تھا"۔[۱]

یہ حالات تھے جن میں الجزائر کے مسلمانوں میں یہ شعور بیدار ہوا کہ رفتہ رفتہ ان کی ملی اور سماجی شناخت ختم ہو رہی ہے۔ ان کی معیشت تباہ ہو چکی ہے۔ تعلیمی اداروں میں دین سے بے گانگی کا درس دینے والے، نئی نسل کو اس کے ماضی سے الگ کرتے جا رہے ہیں۔ استعمار اور استبداد کے ہاتھوں عزت و ناموس غیر محفوظ ہے۔ اس صورت حال کا اولین ادراک علمائے دین نے ہی کیا اور انہوں نے بیسویں صدی کے آغاز کے ساتھ ہی ایسی انجمنیں بنانی شروع کر دیں جن کا مقصد الجزائر کے مسلمانوں کو فرانسیسی اور یورپی ثقافتی یلغار سے روکنا، ان کے عقائد اور تعلیم کا بندوبست اور تحفظ کرنا اور سماجی شناخت کے رابطوں اور نشانیوں کو محفوظ کرنا تھا۔ الجزائر کی جنگ آزادی کو قوم پرستی کا نام دینا درست نہیں ہے۔ اسلامی قومیت سے رشتہ جوڑنے کے لیے ہی تو وہاں کے مسلمانوں نے بے بہا قربانیاں دی تھیں اور الجزائر کی جنگ آزادی میں اس مقصد اور جذبے کو گہرا عمل دخل حاصل تھا۔

۱- 1 France and Islam in west Africa' page 11' Christopher Herrison-

Cambridge University press, Combridge, 1988.

- 2 Algeria , The Revolution Institutionalised' John p Entelis ' Westview

- 3 ibid.

- 4 Algeria- 1984. J.R.Morell, Dra ft Publishers Limited ' London ' Page - 377.

- 5 Algeria , The Revolution Institutionalised. John P.Entelis, West view Publishers, 1986

- 6 Ibid , page - 76

- 7 Ibid , Page- 25

- 8 Ibid , Page 26.

- 9 Algeria , by J.R.Morell, Page 381

- 10 Ibid , Page 381

- 11 Algeria , F.R.Morell, page 383.

- 12 Algeria, The Revolution institutionalized

- 13 Ibid. , Page 34.

- 14 France and Islam in West Africa, Page 10.

بقیہ: رسائل و مسائل

ماہنامے "ترجمان القرآن" میں چھاپا تھا جسے پڑھ کر مولانا محمد منظور نعمانی اور مولانا ابوالحسن علی سب سے پہلے تبلیغی جماعت سے متعارف و متاثر ہوئے تھے۔ مولانا محمد الیاس مرحوم سے ذاتی ملاقات بھی مولانا مودودی نے کی تھی اور ان کی جماعت میں اگر کوئی پہلو تشنہ تھا تو اسے زبانی عرض کر دیا تھا۔

رسائل و مسائل

جماعت اسلامی اور تبلیغی جماعت

سوال: میرے حلقہ احباب میں تبلیغی جماعت سے وابستہ لوگ بھی شامل ہیں ان کا کہنا یہ ہے کہ یہ کام انبیاء کا کام ہے۔ اس سے اونچا اور کوئی کام نہیں' جب ان کو جماعت کے کام کے بارے میں بتایا جاتا ہے تو اِن کا کہنا ہوتا ہے کہ اگر دنیا میں دین کو قائم کرنا ہے تو اس کا طریقہ بھی یہی ہے کہ عام لوگوں کی اصلاح کی جائے۔ کیونکہ اللہ اور اس کے رسولؐ کا فرمان ہے کہ جیسی رعایا ہو گی ویسے ہی ان پر حکمران مسلط ہونگے۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کی اصلاح کا کام کریں۔ جب اچھے لوگوں کی اکثریت ہو جائے گی تو خود بخود ہمارے حکمران بھی اچھے ہی ہوں گے۔ میرے خیال کے مطابق ہمارے ان دوستوں کی اس بات میں بڑا وزن پایا جاتا ہے۔ تو پھر کیوں جماعتِ اسلامی نے حکومت ہی کی اصلاح کو سب سے بڑا کام سمجھ رکھا ہے' کیوں بنیادی کام پر ہی توجہ نہیں دی جاتی؟۔ یہ باتیں سوچ سوچ کر ذہن میں الجھن سی پیدا ہوتی ہے۔ لہٰذا آپ سے استدعا ہے کہ جماعتِ اسلامی اور تبلیغی جماعت کے کام اور طریقہ' کار کے بارے میں قرآن و سنت کی رو سے بدلائل واضح فرمائیں کہ کس جماعت کا کام اقرب الی القرآن و سنت ہے۔ نیز اگر اس سلسلے میں کوئی مطبوعہ کتاب آسان اور عام فہم ہو تو اس کی بھی نشاندہی فرمائیں تو آپکی مہربانی ہوگی۔

جواب: جماعتِ اسلامی اور تبلیغی جماعت اپنے اپنے طریق کے مطابق دین کاکام کر رہی ہیں ہماری یہ کوشش ہوتی ہے کہ دونوں جماعتوں میں مخالفت و منازعت کی صورت پیدا نہ ہو۔ لیکن بعض اوقات بعض سوالات و اعتراضات کی جوابدہی کے لیے مجبوراً کچھ نہ کچھ کہنا پڑتا ہے۔ آپ نے تبلیغی جماعت کے حضرات کا یہ موقف بیان کیا ہے کہ حدیث کے مطابق جیسے عوام ہوتے ہیں' ویسے ہی حکمران ہوتے ہیں' اس لیے حکمرانوں کو ان کے حال پر چھوڑ کر عوام الناس

کی اصلاح کرنی چاہیے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بلاشبہ حدیث میں یہ ارشاد وارد ہے کہ تمہارے اعمال تم پر حاکم ہونگے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ حکمرانوں سے بالکل صرف نظر کرلیا جائے اور عوام ہی پر تبلیغ کی جاتی رہے' جب عوام کی اصلاح ہو جائے گی' تو حکمران خود بخود اصلاح یافتہ ہو جائیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ حکمران اگر مفسد اور فاسق و فاجر ہوں تو وہ عوام الناس کی اصلاح میں بہت بڑی رکاوٹ ہو جاتے ہیں اور دین کی تبلیغ و تلقین اگر صحیح معنوں میں کرنے کی کوشش کی جائے تو وہ اس کا راستہ روکتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام نے جب دعوت شروع کی ہے تو انہوں نے اربابِ اقتدار کو بھی براہ راست مخاطب فرمایا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے رسول تھے لیکن انہوں نے اور حضرت ہارونؑ نے فرعون کو بلاواسطہ چیلنج کیا جس پر فرعون نے رعایا سے کہا کہ موسیٰؑ تمہارے اجتماعی نظام کا خاتمہ چاہتے ہیں۔ سورہ طٰہٰ میں فرمایا گیا: فرعون کے پاس جاؤ' فرعون نے دعوت کے جواب میں رد و کد کی' جادوگر بلائے اور عوام سے کہا کہ یہ دونوں تمہیں بے دخل کرکے تمہاری مثالی زندگی کا خاتمہ چاہتے ہیں۔

مولانا ابوالحسن علی صاحب تبلیغی جماعت کے قدردان و ہمنوا ہیں' انہوں نے مولانا الیاس مرحوم کی سوانح لکھی ہے۔ ان کا ایک مضمون حال ہی میں "اسلامی بیداری کی لہر پر ایک نظر" کے زیر عنوان شائع ہوا ہے۔ اس میں وہ فرماتے ہیں:

> "نظر اس پر بھی ہونی چاہیے کہ اس دور میں کونسی تحریکیں اور کیسے رجحانات پائے جاتے ہیں' وہ دین اسلام کے مستقبل اور آنے والی نسل کے لیے کس حد تک خطرناک ہو سکتے ہیں۔ ملک و وطن کے اقتدار پر تسلط کی جدوجہد میں معروف قیادتیں کس انداز و قماش کی ہیں جو قوم کی زمام اقتدار اپنے ہاتھ میں لینا چاہتی اور معاشرے کو اپنے افکار و عقائد اور خیالات کو اپنی مرضی کے مطابق موڑنا اور زندگی کو نئے سانچے میں ڈھالنا چاہتی ہیں۔ کیونکہ ان طاقتوں' تحریکوں اور قیادتوں سے آنکھیں بند کرلینا' اسلامی جماعتوں کا اپنے خول میں بند ہو جانا اور اپنے تمام مشاغل کو دین کی دعوت' دین پر مضبوطی سے قائم رہنے تک محدود کرلینا ایسا طرز عمل ہے جس کے نتیجے میں کچھ مدت بعد شاید دین پر عمل اور احکام شریعت کے اتباع کی آزادی بھی چھن جائے' دین پر عمل کرنے والوں' دین کی دعوت دینے والوں کی زندگی تلخ ہو جائے اور ان کے حالات وہ ہو جائیں جن کی تصویر قرآن نے ان الفاظ میں کھینچی ہے:
>
> "زمین اپنی کشادگی کے باوجود ان پر تنگ ہوگئی۔ ان کا دم گھٹنے لگا"

بعض اسلامی ممالک میں ایسے پرجوش اسلام کے داعی موجود ہیں جنہوں نے اس پہلو کو نظرانداز کر دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ سماج میں موجود اور ذہن و فکر پر مسلط مسائل یا رجحانات میں الجھنے کی نہ ضرورت ہے، نہ افادیت ہے اور نہ ہم اس کے مکلف ہیں کہ دیکھیں کہ معاشرہ فساد و انحراف، آزاد خیالی و بدعملی کی طرف جا رہا ہے یا خیر و صلاح کی طرف؟ ہمارے لیے اتنا کافی ہے کہ ہم نماز روزے کے پابند ہیں۔ ان حضرات کے اخلاص میں شبہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ ان کی جدوجہد، مشقت اور قربانیاں بھی قابل قدر ہیں لیکن اس کے باوجود میں یہ عرض کرنے کی اجازت چاہوں گا کہ گردوپیش کے رجحانات سے اغماض، زمانے کی ضرورتوں اور تقاضوں سے اعراض، اپنی ذات تک محدود ہو کر رہ جانا اسلام کے صحیح فہم کا نتیجہ نہیں۔"

میں مولانا ابوالحسن ندوی کے ان ارشادات میں کسی اضافے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ صرف اتنا عرض کروں گا کہ جماعت اسلامی عوام الناس کی اصلاح سے غافل نہیں ہے، بلکہ جماعت کے کارکن اپنی ملاقاتوں، اجتماعات کے ذریعے سے عوام تک دعوتِ دین پہنچاتے ہیں، لٹریچر سے بھی کام لیتے ہیں لیکن حکمران جن کے ہاتھ میں قانون، تعلیم و تربیت، ذرائع ابلاغ اور بے شمار اجتماعی وسائل ہیں، ہم انہیں بھی نظرانداز نہیں کرتے، نہیں کر سکتے۔ یہ مقولہ بھی صحیح ہے کہ الناس علی دین ملوکہم (لوگ حکمرانوں کے طور طریقے پر چلتے ہیں)

ہمیں تبلیغی جماعت سے ایک دوستانہ شکوہ یہ بھی ہے کہ ہم حتی الوسع ان کے کام کی تنقید و تنقیص کی کوئی مہم نہیں چلاتے، لیکن تبلیغی جماعت مولانا مودودیؒ اور جماعت کو اپنا ہدف بناتی ہے۔ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کا ایک کتابچہ برابر شائع ہوتا ہے جس کا عنوان ہے: "فتنہ مودودیت" اس کے نام ہی میں تنابز بالالقاب ہے جس سے قرآن میں منع فرمایا گیا ہے۔ پھر اس میں نہایت بودے اعتراضات مولانا مودودیؒ کی عبارتوں میں قطع و برید کے ساتھ کیے گئے ہیں۔ بعض عبارتیں مولانا مودودیؒ کی جانب غلط منسوب کی گئی ہیں۔ اس کتابچہ کا مدلل جواب ہندوستان کے ایک صاحب نے دیا ہے، وہ بھارت میں چھپ چکا ہے۔ پاکستان میں بھی چھپا تھا مگر مولانا مودودیؒ نے اپنی زندگی میں اس کو پھیلانے سے روک دیا تھا اور فرمایا تھا کہ اس کتابچے سے اگر کوئی متاثر ہوتا ہے تو اسے میری اصل تحریروں اور کتابوں کے پڑھنے کا مشورہ دیا جائے۔

مولانا مودودیؒ تو ایسے حق پسند اور بے لوث انسان ہیں کہ انہوں نے سب سے پہلے مولانا محمد الیاس مرحوم اور ان کی جماعت کا تعارف "ایک اہم دینی تحریک" کے زیر عنوان اپنے

بقیہ بر صفحہ ۴۵

مطبوعات

دانائے سبل: مؤلف: جناب حکیم محمد سعید صاحب ۔ ناشر: ہمدرد فاؤنڈیشن پریس۔ پتہ: ہمدرد سنٹر، ناظم آباد نمبر۳۔ کراچی ۷۴۶۰۰۔ سفید کاغذ پر بہت اچھی کمپیوٹری طباعت۔ صفحات ۱۹۲ ۔ مضبوط جلد دھنک کے سارے رنگوں کے ساتھ اور کلمہ طیبہ کے ۶ آرٹسٹک ڈیزائن۔ قیمت ۷۰ روپے۔

مؤلف نے افادۂ عام کے لیے طباعت و اشاعت کی کھلی اجازت دے دی ہے۔ یعنی ۔

ساقیا! دَور چلے، اور چلے، اور چلے

اللہ کی دین ہے کہ حکیم سعید جو شاید بیک وقت پانچوں انگلیوں سے پانچ قلم باندھ کے مضامینِ نَو کے انبار لگاتے رہتے ہیں، ایک ایسی دلکش کتاب سامنے لائے ہیں جو ۱۳۹ صفحات میں رسول خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و تعلیم کے بہت سے اہم پہلوؤں کو نگاہوں کے سامنے ابھار دیتی ہے۔

ذکرِ جمیل کے عنوان سے ابتدائی گیارہ اہم نگارشات کو چھوڑ کر ۳۷ مختصر مضامین میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب، طریق دعوت، خلق و مروت اور دوسری تمام خوبیاں اور کمالات، فرائض منصبی کا حق ادا کرنے کی شان اور انسانی معاشرہ میں احترام انسانیت سے لے کر اہل و عیال، پڑوسیوں، رشتہ داروں، بچوں اور عورتوں، خصوصاً غربا اور غلاموں کے متعلق آپؐ کے ان پاکیزہ رویوں کی تصویر آنکھوں میں پھر جاتی ہے جن کے یکجا ہونے سے دانائے سبل کی شخصیت و سیرت بنتی ہے اور جو حضورؐ کی تعلیم اور پیغام اور دین کا اصل سرمایہ ہیں۔ ہمارے نبی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد ہی کتابِ الٰہی کی تعلیم دینا، دینی زندگی کی حکمت کا درس پھیلانا اور ایمان لانے والوں کا تزکیہ کرکے انھیں ایک خاص طرح کا عملی انسان بنانا اور فکر اور عمل کو کتابِ الٰہی اور اس کے عملی نمونہ (اسوہ حسنہ) کے سانچوں میں ڈھالنا تھا۔ اور آج ہم جن

آفات و آلام میں گرفتار ہیں' ان سے نکلنے کے لیے محمدیؐ ساخت کے انسانوں کی ضرورت ہے۔

بدقسمتی سے ایسے عملی انسان (مرد مومن) کم ہوتے گئے اور نبی پاکؐ کی تعریفیں کرنے والے' قوالیاں اور نعت خوانیاں کرنے والے' اور محض یہ نمائش کرنے والے تعداد میں مسلسل بڑھتے چلے گئے' جو حضورؐ کے ایمانی و اخلاقی سانچے میں پوری طرح ڈھلنے کے لیے تیار نہیں۔

حکیم محمد سعید صاحب کی یہ تالیف شاید حضورؐ کے اصل چیتے عملی مومن پیدا کرنے میں خاص مدد دے سکے گی۔ کاش کہ اس طرح کی تعلیمات خانہ بہ خانہ بچپن ہی سے دی جانے لگیں اور پھر مدرسہ اور اسکول گھریلو تعمیر کی تکمیل کرے۔

یہ اعتراف کرنا ضروری ہے کو جو کتابیں میں عام طور پر اس موضوع پر دیکھتا ہوں' ان میں "ذکر جمیل" اس لحاظ سے خاصا امتیاز رکھتی ہے کہ تمام عبارات نہایت لطیف ادبیت کی امانت دار ہیں۔ پھر ۲' ۲' ـــــ ۳'۳ صفحوں کے مضامین اپنے اجمال میں آفاقی وسعتیں لیے ہوئے ہیں۔ کوئی اور یہی باتیں لکھتا تو ممکن ہے کہ کتاب کی ضخامت ۳ یا ۴ گنا بڑھ جاتی۔

خدا مؤلف پر بھی رحمت فرمائے اور ذکرِ جمیل کا مطالعہ کرنے اور اس سے حقیقی استفادہ کرنے والوں پر بھی۔

مخیر حضرات اور خدمت دین کے ادارے جناب مولف کی اجازت سے فائدہ اٹھا کر اس کتاب کو جگہ جگہ سے شائع کرکے فروغ دین کی سعی کریں! (ن ص)

SUDAN: از جناب حسن مکی' محمد احمد صاحب۔ ناشر' مارک فیلڈ' لاسٹر دولت مشترکہ۔ LE6 ORN۔ قیمت درج نہیں۔

یہ نہایت شاندار علمی کتاب ہے۔ اس میں سوڈان میں (خصوصاً جنوبی حصہ میں) صلیبی نفوذ کا جائزہ ہے۔ کتاب اتنی اہم بحثیں اور حوالے سامنے لاتی ہے کہ مغربی شہنشاہیت اور اس کے کلچر کی پیش قدمی کو سمجھا جا سکتا ہے۔ بلکہ سوڈان کے آئینے میں دوسری مسلم افریقی ریاستوں کے احوال اور پورے عالم اسلام میں بھی مغربیت کی یلغار کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ فوجوں کا کام دوسری طرح کا ہے' مگر مشنری خدمتی اور سازشی ادارے چپ چاپ دیمک اور چیونٹیوں کا کام کر رہے ہیں۔ ادھر ہماری آزادی و حاکمیت کے محل کھڑے ہیں اور نیچے ان محلوں کی بنیادوں کو کھوکھلا کرنے کا کام ہو رہا ہے۔ کہیں کہیں محل والوں کی منظوری سے بھی۔

میں نے کتاب کے موصول ہونے پر بڑے انہماک اور شوق سے اسے پڑھا اور بہت سے صفحات پر نشانات لگائے اور کچھ نوٹ بھی لکھے۔ مگر اس کتاب پر تبصرے کا منصوبہ اتنا طویل ہو جاتا کہ ترجمان القرآن کی ہر اشاعت جگہ دینے سے انکار کر دیتی۔ اب کئی ماہ کے بعد اختصار سے لکھنے بیٹھا ہوں' اور سہولت یہ ہے کہ دماغ کے بہت سے مجوزہ نقشوں کو حافظہ چاٹ چکا ہے۔

مصر' سوڈان' الجزائر اور نائیجیریا وغیرہ ممالک میں عیسائی مشنریوں اور ان کے صیدِ تبلیغ جاہل قبائیلوں کی خاصی بڑی آبادیاں ہیں' ان میں سے باہر سے درآمد بھی ہوتی رہتی ہے۔ مغرب کی طرف سے مالی امداد کے علاوہ پروپیگنڈا کا محاذ ان کے حق میں اور مسلمانوں کے خلاف کام کرتا ہے۔ بعض جگہ اپنی تعلیمی اہمیت کی بنا پر مختلف محکموں میں بہت عرصے سے ملازمتیں اور افسریاں حاصل کر کے وہ لوگ اچھے خاصے مسلمانوں پر سوار ہیں۔ چند خاص خاص باتیں پیش خدمت ہیں مگر بہت سی تفصیلات اور واقعات کو چھوڑ دینا پڑا ہے۔

مہدی سوڈانی کے دور میں جنوبی سوڈان سے عیسائیت غائب ہو گئی (ص ۵۴)۔ اس دور میں ایک کیتھولک کتاب کے مطابق جنوبی حصے کی آبادی ۲۴ لاکھ سے کم ہو کر صرف ۵ لاکھ ۵۰ ہزار رہ گئی (ص ۵۴)۔ جنوب کے لوگ کثیر تعداد سے مہدوی جہاد میں شریک ہو گئے۔ عیسائیوں کی نگاہ میں یہ دور جنوب کے عربی اور اسلامی رنگ میں رنگنے جانے کا تھا۔

لارڈ کرومر کو اس بات سے بڑی چڑ ہوتی کہ یہاں جمعہ کی تعطیل کی جاتی ہے (۴۱)۔ Wingate کا نقطہ نظر یہ تھا کہ عیسائی مشنری جنوبی سوڈان میں شمالی سوڈان کی قوت کا مقابلہ کرنے کے لیے جوابی وزن پیدا کر سکتے ہیں (۵۵)۔

اسی شخص نے حکومت کو سیکولر تعلیم کی مفت پیشکش کی۔ عقل مند حکومت نے اسے خوش آمدید کہا کہ تم لوگ بائیبل کی تعلیم دیتے رہو اور ہمارے ہاں تعلیم کو پھیلاؤ (۵۵)۔ اسی کا قول تھا کہ "حالات کا مؤثر علاج یہ ہے کہ عورتوں کو تعلیم سے گزارا جائے۔" (۳۹)

کرومر کا کہنا تھا کہ تجدید اسلام (یعنی قرآن و حدیث والے اسلام) کا احیا سوائے ایک شاعرانہ خواب کے کچھ نہیں۔ (۳۹-۳۸)۔ ابھی تک تو کرومر کے چیلنج کو کوئی نہیں توڑ سکا (مولف)

کرومر ہی کا یہ بھی نقطہ نظر تھا کہ اسلام کی ریفارمیشن (اصلاح) نہیں ہو سکتی' کیونکہ اصلاح یافتہ اسلام' سرے سے اسلام رہتا ہی نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہماری تعلیمی مشین سے نکل کر نوجوان مسلم طالب علم اپنا اسلام ازم کھو چکا ہوتا ہے۔

فادر پاؤلوماروني Paolo Maroni' ایک بڑے پادری نے ۱۹۰۷ میں پہلی دفعہ ۸ افراد کو بپتسمہ دیا۔ ۱۹۱۱ تک نو گرفتاران عیسائیت کی صف اول ۱۰ افراد پر مشتمل تھی۔ لیکن ۱۹۱۲ میں ۸ مشنری تنظیمیں کام کر رہی تھیں۔ (۵۶)

زویمر کہتا ہے کہ قدیم پولیٹیکل تصور کے افق کی وسعت بین الاسلامیت (توحید ملت) کے تصور سے ہم آہنگ تھی۔ اب اسلام علاقائی حد بندیوں میں سکڑ گیا ہے لہٰذا وقت آئیگا کہ سیکولر ریفارمڈ اسلام اس میں سے از خود نمودار ہو گا۔ (۳۹)[ا]

سوڈانی حکومت کی فراستِ مومنانہ کمال درجے کی تھی۔ انہوں نے گارڈن میموریل کالج کے قیام کے بعد یہ اجازت عیسائی مبلغوں کو دی کہ وہ اپنی بائبل پڑھا کر بھی ہمارے بچوں کو بذریعہ تعلیم مغربی ریفارمڈ اسلام کے لیے اپنے خرچ پر تیار کریں۔ ساتھ ہی انہوں نے مغربی ضابطہ تعزیرات اور مغربی نظام اخلاقیات کو قبول کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ (۳۸)

۱۹۱۴ میں علما سے خطاب کرتے ہوئے سوڈان کے برطانوی گورنر جنرل نے کہا کہ ہم کسی شخص کے مذہب میں مداخلت نہیں کرتے۔۔۔ بلکہ ہم سب مذہبی شخصیتوں کی خدمت کرتے ہیں' جبکہ ہم نے کئی مساجد تعمیر کرائی ہیں اور بہت سی صورتوں میں اس کام کے لیے مدد دی ہے (۴۰)۔

مغربی مشنریوں میں اتنی جنگی ذہنیت پیدا ہو گئی کہ امریکن مشن (A.U.P.M) کا نقطہ نظر یہ تھا کہ چونکہ جہاں اسلام داخل ہوتا ہے وہاں چالاکی' فریب دہی' عدم صداقت اور بد دیانتی رونما ہو جاتی ہے۔ (۶۸) ـــــ آج کا میدان جنگ سوڈان ہے۔ عیسائت کو یا تو یسوع مسیح کے حق میں مشرک قبائل کو جیت لینا چاہیے' یا مسلم جارحیت کے مقابلے میں شکست تسلیم کر لینی چاہیے۔ (۶۳) "تعلیم عیسائیت کو پھیلانے کا آلہ ہے۔" (۵۹)

"جنوبی سوڈان کی پالیسی یہ طے پائی کہ اسلام کو جڑوں سے اکھیڑ دیا جائے اور شریفانہ طور پر اس کی تدفین کر دی جائے۔"

ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے کہ ذریعہ اظہار انگریزی زبان کو بنوایا جائے۔ جنوبی سوڈان میں یہ حیثیت عربی کو حاصل ہے' اسے تبدیل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے ـــــ اصل ہدف اسلام کے تمام ثقافتی اثرات کا جنوب میں صفایا کرنا تھا۔ (۷۵)

جنوبی سوڈان ۳۰ کی دھائی میں شمالی سوڈان یا اسلام کے اثرات سے آزاد ہو گیا۔ مشنری حضرات پالیسی کے ماسٹر بن گئے۔ اور سوچا گیا کہ یا تو جنوبی سوڈان کو کاٹ کر برطانوی ایسٹ افریقہ

ا۔ یہاں بھی نہایت فاضل درجے کے لوگ زویمر کے سچے مرید ہیں اور وہ اجتہاد کے نام پر سیکولر ریفارمڈ اسلام کو غالب کرنا چاہتے ہیں۔

میں شامل کر دیا جائے یا اسے ایک آزاد ریاست کی حیثیت سے کھڑا کیا جائے۔ (۷۶)

دیکھا آپ نے مشنریز کس طرح تعلیم اور زبان کے مسئلوں سے ہوتے ہوئے سیاسی انقلاب اٹھانے تک پہنچ گئے۔

عورتوں کی تعلیم کو عیسائی کمیونٹی کے فروغ کے لیے اہم سمجھا گیا۔ (۷۹)

جنوبی سوڈان میں ۱۹۳۲ سے ۱۹۴۰ تک جو تعلیمی کام ہوا اسے ملیوں نے اس طریق سے چلایا کہ صرف عیسائیوں کو داخلہ مل سکتا تھا' یا جو بظاہر عیسائی ہو جائیں۔ مسلمانوں کے لیے دروازے بند تھے۔ نتیجہ یہ کہ حکومت اداروں اور عہدوں پر عیسائیوں کا قبضہ ہو تا گیا اور مسلمان جاہل رہ گئے۔ (یہ لڑائی اس شکل میں تھی کہ عیسائی + عیسائی بد مذہب لوگ + غیر عیسائی بد مذہب لوگ جو عیسائیوں سے متاثر ہوں ـــ بخلاف ـــ مسلمانوں کے جو اقلیت میں تھے)۔ (۷۸)

تعلیم کے سلسلے میں اسمٰعیل ازہری جو پہلا سوڈانی وزیر اعظم منتخب ہوا (۶ جنوری ۵۴ء)۔ اس کے دور میں سوڈانیت کو رائج کرنے والی ایک کمیٹی کے اہتمام سے خاص کمیشن مقرر ہوا جس کی تجاویز میں یہ باتیں شامل تھیں۔ (۱) مشنری سکولوں کو گورنمنٹ اپنے ہاتھ میں لے لے۔ (۲) عربی ملک گیر پیمانے پر ذریعہ تعلیم ہو (۸۳)۔ و یگیٹ نے ۱۹۱۰ء میں ایک منظم گروہ اس غرض کے لیے پہلے سے تیار کر رکھا تھا کہ جب مسلم سوڈان کے خلاف کوئی سخت اقدام کرنا پڑے تو وہ کرے۔ چنانچہ ان اشرار نے اندھا دھند ۲۶۱ آدمیوں کو قتل کیا۔ لوٹنے اور آگ لگانے کی کارروائیاں کیں۔ مگر معاملات اور بگڑتے چلے گئے۔ (۸۴)

مغربی عیسائی مشنریوں کے لیے نیشنل موومنٹ کے ابھرنے سے بدترین دور کا آغاز ہوا۔ یہ دور پہلے سوڈانی وزیر اعظم کے قوت پانے کے بعد شروع ہوا۔ ابتدائی اقدامات خود اس کی حکومت کے تحت ہوئے۔ بعد ازاں' اخوان المسلمون کی تحریک کا نمایاں قوت پکڑنا تھا۔ ان کے دور میں ۲۷ فروری ۶۴ء کو سوڈانی کونسل آف منسٹرز نے غیر ملکی مشنریوں کے خلاف تین اقدام طے کیے۔ ان پر عمل ۱۱ دن میں ہوا۔ و یٹیکن سناٹے میں آگیا۔ آخر بیرونی مشنریوں کی اجتماعی بیخ کنی کوئی معمولی معاملہ تو نہ تھا (۱۰۲'۱۰۳)۔ اس سلسلے میں زچ ہو کر کیتھولک پادریوں نے افریقہ کے اندر اور باہر پروپیگنڈا شروع کر دیا اور خارج کردہ پادری ایک طرح کی عملی صلیبی جنگ سوڈان کے خلاف لڑنے لگے۔ (۱۰۷)

اسرائیل سے شکست کے بعد خرطوم میں ۲۹ اگست ۶۷ء کو عرب ریاستوں کے سربراہوں کی

سمٹ بلائی گئی۔ اس میں اسلامی دستور پر اتفاق رائے ہو گیا۔ لیکن اس چیز نے مغرب کو، کلیسا کو اور کمیونسٹوں کو مضطرب کر دیا۔ وہ انتظار کرنے لگے کہ کوئی سیکولر محافظ نمودار ہو جائے۔ چنانچہ مصر کے نمونے پر جنرل نمیری کے تحت فوج نے ۲۵ مئی ۶۹ء کو تخت الٹ دیا۔ (اور مخالفین اسلام کی مراد بر آئی!) اس انقلاب سے پہلے اخوانیوں نے ۱۹۶۸ء کے انتخابات میں خاصی کامیابی حاصل کر لی تھی۔ (۱۰۹-۱۱۰)۔

کتاب کا آخری حصہ سوڈان کی داخلی تبدیلیوں، مختلف چہروں اور مسئلہ نفاذ شریعت کے سہ گونہ عمل پر روشنی ڈالتا ہے۔[1]

یہ سارا قصہ پڑھ کر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ـ

لے گئے تثلیث کے فرزند میراثِ خلیل
خشتِ بنیادِ کلیسا بن گئی خاکِ حجاز

ساری دنیا میں ہماری داستان پھیلی چلی آ رہی ہے۔ مہدی سوڈانی کے مجاہدوں اور شہیدوں کے خون میں نہائی ہوئی خاک آج اگر اپنے اوپر اسلام کے شامیانہ نور کو قبول کرنے میں ناکام ہے تو اور کس سے کیا امید کی جائے۔

(ن۔ص)

ڈیلفی سے سونے کی کان تک: از حکیم سعید صاحب۔ ناشر: نونہال ادب ہمدرد فاؤنڈیشن پریس۔ ہمدرد سنٹر، ناظم آباد، کراچی صفحات ۱۲۱۔ مجلد مع ڈیزائن اور گرد پوش۔ قیمت ۳۰ روپے (نہ نفع نہ نقصان کے اصول پر)

حکیم محمد سعید صاحب ایک طرف تو ذہنی سفر میں رہتے ہیں اور بڑی بڑی منزلیں مارتے ہیں، دوسری طرف وہ سیروا فی الارض میں بھی اتنی دلچسپی لیتے ہیں کہ "حیات گویا سفر کے سوا کچھ اور نہیں۔"

یہ سفرنامہ جس میں بچوں کا خاص لحاظ رکھا گیا ہے، نہ صرف دلچسپ ہے بلکہ اتنی متنوع معلومات اپنے اندر رکھتا ہے کہ میں نے اسے پڑھا تو سمجھ میں نہیں آتا کہ تعارفی تبصرے کے لیے کیا باتیں لکھوں۔ کوئی بیان جہاں سے پڑھتا، تقاضا کرتا کہ میرا تو ذکر کر ہی دو۔ لیکن پہلے حیران اور پھر از خود رفتہ ہو کر میں نے سب سے دامن چھڑایا اور بھاگ نکلا۔ اندازہ کیجیے کہ

---

[1] اس وقت سوڈان میں ایک انقلابی رو چلی ہے جس کے سربراہ حسن ترابی ہیں۔ اس مرحلہ اول میں بڑی خوبصورتی سے انہوں نے بعض اسلامی اصلاحات کر دی ہیں جنہیں معاشرے نے قبول کر لیا ہے۔

ایک مسافر نے جہاں گردی کے لیے کم سے کم ایک کروڑ روپے کی ہوائی ٹکٹیں خریدی ہوں گی۔ پھر کیا حساب اور کیا شمار!

کراچی سے ایتھنز' ایکرو پولس' ڈیلفی' یونان کے دانش ور' جمہوریہ جنوبی افریقہ' جوہانسبرگ' پرٹوریا' سونے کی کان ڈربن' کیپ ٹاؤن کا کتنا طویل سفر ہے۔ سفر ہی نہیں' یونان کی تاریخ کا سفر' یونانی پہاڑوں کے قصے' بقراط' ارسطو اور افلاطون کے کمالِ فن' ضمناً اقلیوس کا ذکر جو حضرت ادریس علیہ السلام کے شاگرد تھے' انہوں نے حضرت ادریس ہی سے بیماریوں کی پہچان اور ان کے علاج کا فن سیکھا اور پھر حکمائے یونان کے استاد بنے۔ شاگردوں کی تعداد ۲ ہزار تھی۔ پھر ہرکولیس کے ۱۲ کارنامے پڑھ کر تو حیرت چھا جاتی ہے (مگر سارا طلسم خیالی ہے)۔ حکیم صاحب کہیں ہوٹلوں کی شان بیان کرتے ہیں' کہیں مناظر کا قصہ' کہیں شخصیتوں (عالموں' دوستوں یا گائیڈوں) کا ذکر' پھر وہ سونے کی کان میں لے جاتے ہیں۔ وہاں جانے کے لیے ان کی نفیس طبیعت کو جو لباس جس طرح پہننا پڑا' اس واقعہ پر بڑی ہمدردی ہے۔ کان میں سرنگ جو تین کلومیٹر لمبی ہے۔ زمین سے ہزاروں فٹ نیچے۔

کتاب کا وہ حصہ دردناک ہے۔ جنوبی افریقہ کی ریاست کا رقبہ ۴ لاکھ ۷۲ ہزار مربع میل ہے۔ آبادی ۳ کروڑ ۱۰ لاکھ سے زیادہ ہے۔ ۷۲ فیصد کالے ہیں اور بنٹو کہلاتے ہیں۔ زیادہ مشہور قبیلہ زولو ہے۔ انگریز اور یورپی باشندوں کی کل تعداد آبادی کی ۱۹ فیصد ہے۔ یہی ۱۹ فیصد لوگ حکمراں ہیں اور نہایت ظالم قسم کے۔ جمہوریت کی یہ بھی ایک شان ہے کہ اقلیت اکثریت پر حکومت کرے بلکہ غیر ملکی اصل باشندوں پر حکمراں بنیں۔ سالہا سال سے کشمکش جاری ہے مگر اسے ظلم سے دبا دیا جاتا ہے۔ امریکہ اور مغرب سب ناجائز حکومت کے پشتیبان ہیں۔

حکیم صاحب کی کچھ خاص ملاقاتیں اپنے پاکستانی لوگوں سے ہوئیں۔ بڑی دلچسپ کتاب ہے۔

(ن۔ ص)

معاشیاتِ اسلامی کے چوبیس قرآنی اصول: مصنف: محمد عظیم اللہ صاحب۔ ۱۱۰ نظام پور' گورکھپور۔ یو۔ پی انڈیا۔ صفحات ۱۸۴۔ قیمت درج نہیں۔

اسلام اور عالم پر زوال و تنزل کیوں آیا' تاریخِ عالم پر عمیق و گہری نظر رکھنے والے اچھی طرح جانتے ہیں کہ اس کی بڑی وجہ صرف یہ ہے کہ مسلمانوں نے اسلام کے دیے ہوئے معاشی نظام کو نظر انداز کر کے غیروں کے نظام ہائے معاش کو اپنا لیا۔ اسلامی معاشیات' جو انفاق فی سبیل اللہ' ایتاء' اعطاء' ایفاء' اکرام' ایثار اور احسان کا درس دیتی تھی' کو خیرباد کہہ دیا اور انسان بندۂ زر

بن کر رہ گیا۔

اس کتاب میں معاشیاتِ اسلامی کے جو چوبیس اصول قرآن مجید کی آیات کے حوالہ سے یکجا کر دیے گئے ہیں وہ امتِ مسلمہ کو پکار پکار کر دعوت دے رہے ہیں کہ معاشرہ انہی اصولوں پر عمل پیرا ہو کر حقیقی معاشی ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہو سکتا ہے۔ مصنف نے بڑی محنت اور کاوش سے یہ اصول اکٹھے کیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں جزاءِ خیر عطا فرمائے۔

کتاب قابلِ مطالعہ ہے کتابت عمدہ' کاغذ بھی اچھا ہے۔ (ع ' ع)

اطمینان قلب: از حکیم مشتاق احمد صاحب اصلاحی۔ قیمت ۴۰ روپے۔ ملنے کا پتہ حکیم مشتاق احمد اصلاحی' اصلاحی منزل کچہری بازار سرگودھا۔

آج کا انسان خواہ وہ مشرق میں رہتا ہو یا مغرب میں' سب سے زیادہ جس چیز کا متلاشی ہے وہ "اطمینان قلب" ہے۔ اقوام مغرب نے ---- "اطمینان قلب" حاصل کرنے کے لیے سامان عیش و عشرت کی فراہمی کی کوشش کی۔ لیکن اس راستے پر چل کر انھیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔

اس سلسلہ میں حکیم مشتاق احمد اصلاحی صاحب نے کتاب و سنت کی روشنی میں وہ حل تجویز کیا ہے جس سے "اطمینان قلب" کی دولت نصیب ہو سکتی ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ انسان خواہشات نفس کی بندگی چھوڑ کر' اللہ تعالیٰ کی اطاعت و غلامی اور محبت اختیار کر لے۔ اور اس کی خوشنودی کو زندگی کا نصب العین بنا لے۔ تب انسان کو شرحِ صدر کی دولت اللہ کی طرف سے عطا ہوتی ہے' پھر آدمی نہ ناکامیوں میں ہراساں ہوتا ہے' نہ کامیابیوں پر مغرور و متکبر۔

پاکستان رائیٹرز گلڈ نے اس کتاب کو پہلا انعام دے کر انصاف پسندی اور دانش مندی کا ثبوت دیا۔ "اطمینانِ قلب" کے موضوع پر مشرقی ممالک میں یہ پہلی کامیاب کوشش ہے۔ دانشورانِ مغرب نے اس موضوع پر بہت کچھ لکھا لیکن حقیقت کا سراغ لگانے میں ناکام رہے۔

بلاشبہ یہ کتاب اس قابل ہے کہ نفسیات' اسلامیات اور عمرانیات کی اعلیٰ کلاسوں کے طلباء کے نصاب میں شامل کی جائے اور اہلِ نظر اسے اپنی لائبریریوں اور دارالمطالعوں کی زینت بنائیں۔

حال ہی میں محکمۂ تعلیم نے اس بلند پایہ کتاب کو تمام لائبریریوں کے لیے منظور کر کے علم نوازی و ادب پروری کا ثبوت دیا ہے۔

REGD. NO. L 5340

PHONE: 234014 236665

MONTHLY **TARJUMAN-UL-QURAN** LAHORE